بحثیں آگئی ہیں جو غیر متعلق ہیں، تاہم اُن سے ناظرین کے معلومات میں اضافہ ہوسکتا ہے، قیمت عہ، شیخ الٰہی بخش و جلال الدین تاجران کتب بازار کشمیری لاہور سے ملیگی۔

دین و دنیا: یہ ماہوار رسالہ "نظامیہ دار الاشاعت" دہلی سے شایع ہوتا ہے جسکے ساتھ خواجہ حسن نظامی صاحب کا رسالہ پیر بھائی بھی شامل ہے، اسکی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ ہر خریدار کو اختیار ہے کہ جب اُسکا جی چاہے دیکھے ہوے پرچے احتیاط سے واپس کرکے اپنی ادا کردہ کل قیمت واپس لیلے، چونکہ اسمین اشتہارات کا حصہ بہت کافی ہوتا ہے اسلیے ممکن ہے کہ بعض طبایع کو اس رعایت سے بدگمانی پیدا ہو۔

لیکن اسمین شک نہین کہ "دین و دنیا" کے متعلق مفید و دلچسپ معلومات کا ایک وافر ذخیرہ اس کے اندر ہوتا ہے، اور خواجہ صاحب کے مقبول و دلکش طرز تحریر کا لطف مزید بران، قیمت سہ ماہی ۸ر، ششماہی عہ، سالانہ عا۲ر، فی پرچہ ۲ر ہے۔

مخزن، مخزن اُردو کے قدیم ترین رسالون مین ہے، اپنے ابتداے زمانۂ اشاعت سے لیکر آج تک اس نے مختلف قالب بدلے ہین اور ہر قالب مین اسکی خاص خصوصیت یعنی ادبی رُوح جھلکتی رہی ہے، موجودہ تغیر و تبدل مین اُسکی عنان ادارت مولوی ابو البیان بیدل شاہجہانپوری کے ہاتھ مین آئی ہے، یہ وہی بیدل ہین جنکے متعلق مولانا شبلی مرحوم کا ایک مصرع ہے، ع چہ توان کرد چو فرمودۂ بیدل باشد۔ مخزن کی خوش قسمتی ہے کہ وہ آیندہ سے تمامتر "فرمودۂ بیدل" ہوگا، قیمت سالانہ قسم اول للعہ، پتہ: مخزن لاہور، تقطیع پہلے سے بڑی کردیگئی ہے،

مدینہ: بجنور کا مشہور اخبار ہے جو حال مین نئے آب و رنگ کے ساتھ نکلنا شروع ہوا ہے، اسکے مضامین عمدہ اور تراجم پر زور ہوتے ہین، تازہ خبرون کی فراہمی پر بھی اُسکو خاص توجہ رہتی ہے، اُسکے سائز مین بھی اضافہ کیا گیا ہے، غرض ظاہری اور باطنی حسن و خوبی کے لحاظ سے یہ اخبار پڑھنے کے قابل ہے۔

عدد دوم	ماہ ذی الحجہ سنہ ۳۹ھ مطابق اگست سنہ ۲۱ء	مجلد ہشتم

مضامین

شذرات

ہمارا ملکی شاعر ٹیگور، مغرب کی طویل سیاحت کے بعد ماہ گذشتہ مین وطن واپس آگیا، سرزمین یورپ پر فرانس، انگلستان، اٹلی، اسٹریا، جرمنی، ہالینڈ، سویڈن، جہان جہان اس نے قدم رکھا، تعظیم واحترام نے اسکی پیشوائی کی، اور عقیدت مندی اُسکے لئے فرش راہ رہی، شعراء وحکماء نے اس سے نیاز مندانہ ملاقاتین کین، یونیورسٹیون نے اُسکے مقالات وخطبات سُنے، اور اخبارات نے اُسکے پیامات شایع کئے، برلن یونیورسٹی مین لکچر کے وقت معینہ پر انسانی آبادی کا ایک سیلاب آگیا، احاطہ کے اندر جو ہجوم تھا اسکا علم توخدا ہی کو ہوسکتا ہے، البتہ جو لوگ احاطہ کے باہر کھڑے رہ گئے تھے، اُن کا تخمینہ پندرہ ہزار کا تھا، اسکی تصانیف کو جو حسن قبول حاصل ہے، اُسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ "ہوم اینڈ دی ورلڈ" کے جرمن ترجمہ کے ڈیڑھ لاکھ نسخے چھ مہینے کے اندر فروخت ہوگئے، اور "سادہن" کا جرمن ایڈیشن تین ہفتہ کی مدت مین پچاس ہزار کی تعداد مین ہاتھون ہاتھ نکل گیا!

ٹیگور کی عزت مادر ہند کی عزت ہے، اسکا اعزاز کل ملک کے لئے موجب افتخار ہے اور اسکی مسرت ہمین ہم سب کی مسرت ہے، سچ یہ ہے کہ ہر ملک وقوم کی وقعت وعظمت کے حقیقی حامل اہل سیف وارباب سیاست نہین، بلکہ اہل قلم وارباب علم ہوتے ہین، جرمنی سے اگر گیئٹے کو حذف کردیا جائے تو باقی کیا رہجائیگا، انگلستان مین اگر شیکسپیر وبیکن نہ پیدا ہوئے ہوتے تو کون اُسکی بات پوچھتا؟ فرانس کی عظمت کے محافظ ڈیکارٹ وبرگسان ہین، یونان کی زندگی ہومر وفلاطون کے دم سے وابستہ ہے، ایران کو سعدی وحافظ کی مسیحا نفسی موت سے بچائے ہوئے ہے، ہندوستان کا بھرم کالیداس ووالمیک قائم رکھے ہوئے ہین، ٹھیک اُسی طرح آج ٹیگور کی ہستی ایسی ہے جو غیرون کے سامنے ہندوستان کی لاج رکھے ہوئے ہے، ہندوستان مین بیشک آج نہ کوئی نپولین ہے، اور نہ پرنس بسمارک، نہ کوئی پریسیڈنٹ ولسن ہے، اور نہ لائیڈ جارج، لیکن جسوقت تک اس سرزمین پر ٹیگور، اکبر، واقبال کا دم قائم ہے کون اُسکے فخر کی گردن کو جھکا سکتا ہے؟

ہندوستان کے ایک ممتاز سیاسی لیڈر آج سے ڈھائی سال قبل ایک سیاسی وفد پر یورپ گئے تھے، اُن کا بیان ہے کہ جسوقت وہ فرانس مین سفر کررہے تھے، اُن کے درجہ مین تین شخص اور آکر بیٹھے، جو ملک سویڈن کے باشندہ تھے، اُنکو جب یہ معلوم ہوا کہ اُن کا ہم سفر ایک ہندوستانی ہے تو معًا اسکی جانب کمال التفات وتوجہ، خلق وتواضع کے ساتھ محض اس بنا پر پیش آنے لگے کہ وہ ٹیگور کا ہموطن ہے، آگے چل کر جب دوران گفتگو مین اُنہین معلوم ہوا کہ ہندوستان مین خواندہ آبادی کا تناسب چھ فیصدی سے بھی کچھ کم ہے تو ان کے حیرت کی انتہا نہ رہی بے اختیار وہ باربار یہ فقرہ دُہراتے تھے کہ جو ملک ٹیگور پیدا کرسکے ناممکن ہے وہان کے لوگ اسقدر جاہل وناخواندہ ہون۔

یہ سب کچھ سہی، لیکن معلوم نہین مغرب نے ٹیگور کے پیام کو کس دل سے سُنا، ہمارے

مشرقی شاعر کا اصلی پیام عالمگیر امن و آشتی، اتحاد و اخوت کا پیام ہے، وہ یورپ مین جہان جہان پھرے، اسی کی منادی کرتے رہے، انھون نے مختلف عنوانات پر صدہا لکچر دیئے اور مضامین شایع کئے، لیکن یہی ایک راگ تہا جو مختلف سازون سے ادا ہوتا رہا، مگر ان عددی حقائق کا کیا جواب ہے کہ اسوقت یورپ کی مسلح افواج کا شمار جو اپنے اخوان جنس کی جان لینے پر ہر وقت کمربستہ ہین، ۳۰۰ لاکھ سے کم نہین، جنکی سب سے بڑی تعداد یعنی ۲۳ لاکھ کی جماعت، برطانیہ فرانس، اور ان کے حلیفون کے جھنڈون کے نیچے ہے؟ کیا خونخواری و خون آشامی کا یہ عفریت "ساحر بنگال" کے کسی افسون یا نقش سے زیر ہو سکتا ہے؟ بلبل کی خوش الحانی مسلّم ہے لیکن توپون کی گھن گرج مین بھی بھلا آج تک کسی نے اسکی زمزمہ سنجیون پر توجہ کی ہے؟

آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر ایک ایسی ہستی نے جو ٹیگور سے بدرجہا زاید عالی مرتبہ و برگزیدہ تھی اور نصرت الٰہی جسکے جلو مین رہتی تھی، اپنے ہموطنون کو راہِ ہدایت دکھانا چاہی تھی اسکی آواز سب کے کانون مین پڑی، بہت سی گردنین اُسکے سامنے خم ہو گئین، پھر بھی ایک بڑی تعداد ایسے سنگدلون کی رہی جس نے سب کچھ سُن سُنا کر منہ موڑ لیا اور صاف صاف کہدیا کہ تم ہم پر کسی طرح کا اثر نہین ڈال سکتے، تم جو باتین کہتے ہو وہ ہمارے دل مین کچھ اُترتی نہین اور ہمارے کانون مین گویا اُنکی طرف سے ایک طرح کی گرانی ہے، اور ہمارے تمہارے درمیان گویا پردہ حائل ہے، پس تم اپنی طرح پر عمل کئے جاؤ اور ہم اپنی جگہ پر عمل کر رہے ہین، (فَاَعْرَضَ اَکْثَرُهُمْ فهم لا یسمعون، وقالوا قلوبنا فی اَکِنَّةٍ مِمَّا تدعونا الیه وفی آذاننا وقرٌ ومن بیننا وبینک حجابٌ فاعمل اننا عاملون)

ان سنگدلون کے مقابلہ مین غریب ٹیگور کی کیا بساط ہے جو اُسکی کوششون کے

بار آور ہونے کی کچھ بھی توقع کیجا سکے!

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ایک مفلس و نادار ملک ہے، اور یہان کے باشندے تقریباً فاقہ کشی کی حالت مین بسر کرتے رہتے ہین، لیکن جانتے ہو یہ "مفلس" "و نادار" ملک دنیا کے سامنے اس دعوی کا کیا ثبوت پیش کر رہا ہے؟ سال گذشتہ کی ایک ششماہی مین یعنی اپریل سے ستمبر ۲۰ء تک ہندوستان مین ۷۴۹۸ موٹرون کی خرید ہوئی جنکی مجموعی قیمت ۳۰۸۰۰۰۰۰ (تین کرور آٹھ لاکھ) ہوئی، درآنحالیکہ ۱۹ سنہ کی اسی ششماہی مین کل ۲۵۵۳ موٹر خرید کئے گئے تھے، جنکی قیمتون کی میزان ۴۷ لاکھ تھی، یہ تعداد محض برٹش ہندوستان سے متعلق ہے، ریاستون مین جو خرید ہوئی اسکا ان اعداد سے کوئی تعلق نہین، ہر ہر صوبہ نے اس "کار خیر" مین جس حد تک شرکت فرمائی اُسکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

صوبۂ بمبئی	۲۷۷۵
صوبۂ بنگال	۲۶۹۴
صوبۂ مدراس	۹۰۸
صوبۂ سندھ	۵۹۰
صوبۂ برہما	۵۳۱

یہ مصنوعات ہندوستان مین آئین کن کن ممالک سے؟ اسکا جواب بھی اعداد کی زبان سے سُن لینا چاہیئے:-

امریکہ سے	۵۶۵۴

برطانیہ سے	۱۰۰۲
کناڈا ،،	۵۴۲
فرانس ،،	۴۹
اٹلی ،،	۴۳

یہ حساب پوری ششماہی کا تھا، مگر معلوم ہوتا ہے رفتار اسراف روز بروز تیز ہی ہوتی گئی، چنانچہ اسکے آخری مہینہ یعنی صرف ستمبر سنہ ۲۰ء مین ۱۰۴۱ موٹرین ہندوستان مین خرید کی گئین، جنمین ۷۲۳ امریکہ سے آئین، اور ۲۴۷ برطانیہ سے!

اگر یہی شاہ خرچیان کسی ملک کی عسرت، ناداری، و افلاس کی دلیل بن سکتی ہین تو خدا معلوم اسراف، تبذیر، نفس پرستی و تن پروری کا اطلاق کن واقعات پر ہوسکیگا، ایک مہاتما کی شخصیت کے اثر سے ایک کرور چندہ جمع ہوجانے کو جو حضرات ملک کی عالی ہمتی، ایثار و خلوص نیت کے ثبوت مین پیش کرتے ہین، اُن سے بہ ادب التماس ہے کہ ایک ششماہی مین "عیاشی" کی صرف ایک مد مین تین کرور آٹھہ لاکھہ کی رقم خطیر لٹا دینا کس امر کی دلیل ہوسکتی ہے؟ فطرت کا یہ ایک اٹل قانون ہے کہ جہان اُسکے دربار سے خفیف سے خفیف محاسن پر انعام ملتا ہے وہان اُسکی گرفت سے کوئی جزئی سے جزئی معصیت بھی بچ نہین سکتی، جو لوگ اپنے حسن عمل پر صلہ و ثواب کے متوقع ہین، اُنہین اپنے سوء عمل کے بھی ایک ایک جزئیہ کے احتساب و پاداش کے لئے تیار رہنا چاہیئے، ان کان مثقال حبۃ من خردل اتینا بہا وکفی بنا حاسبین۔

ہمارے اخبارات اور ہماری انجمنین مصروف شور و شیون ہین کہ ہمارے ملک ہمارے

ہاتھہ سے نکل کر اغیار کے قبضہ مین جارہے ہین، لیکن اس سے زیادہ ماتم انگیز یہ واقعہ ہونا چاہیئے کہ ہمارا خلوص و ایثار، ہمارا صبر و استقلال، ہمارا تقوی و ضبط نفس ہم سے رخصت ہورہا ہے، اور اسکے بجائے حب زر، حب جاہ و حب دنیا کا غلبہ ہم پر ہوتا جاتا ہے، درانحالیکہ حیات دنیوی وہ شے ہے جسکو قرآن مین ہر جگہ متاع "متاع الغرور" اور "لہو و لعب" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور حدیث نبوی مین تصریح کے ساتھہ حب دنیا کو ہی تمام گناہون کی اصل قرار دیا گیا ہے (حب الدنیا راس کل خطیئۃ) بلکہ ایک حدیث مین تو حضور رسول خدا سے یہانتک مروی ہے کہ قسم خدا کی مین اس سے ذرا بھی اندیشہ نہین کرتا کہ تم لوگ فقر و فاقہ مین مبتلا ہوگے، البتہ مین اس سے اندیشہ کرتا ہون کہ جس طرح تم سے پیشتر والون پر دنیا فراخ کردی گئی تھی، تم پر بھی فراخ کردیجائے، اور اُنکی طرح تم بھی اُسکی جانب رغبت کرنے لگو، اور پھر اُنکی طرح دنیا تمہین بھی ہلاک کرڈالے، (عن عمرو بن عوفٍ قال قال رسول اللہ صلعم فواللہ لا الفقر اخشی علیکم ولکن اخشی علیکم ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنافسوھا کما تنافسوھا وتھلکم کما اھلکتہم)

ہزارہا روپیہ خرچ کرکے اُن قومون سے جو علانیہ ہماری قوم و مذہب سے دشمنی کا ثبوت دیچکی ہین، اپنی تن آسانی، جاہ پسندی، و خود نمائی کے لئے موٹرین خرید کرنا تو الگ رہا، بعض حقیقت سنجان اسلام نے تو بلا استثنا ہر قسم کی دنیوی املاک کو حاصل کرنا، مملکت شیطانی مین حصہ لگانے کے مرادف قرار دیا ہے، خشت شکستہ سے زیادہ بے بساط شے اور کیا ہوسکتی ہے، لیکن حضرت شیخ فرید الدین عطار فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ حضرت مسیح ایک ٹوٹی ہوئی اینٹ کو تکیہ کی طرح سر کے نیچے رکھکر سوگئے، شیطان آیا اور اپنی اس کامیابی پر نہایت مسرور ہوا کہ ہمیر

اسکی ملک مین ساجھا کیے ہوئے ہے! ارشاد ہوتا ہے،

عیسیٰ مریم بخواب افتادہ بود — نیم خشتے زیر سر بنہادہ بود

چون کشاد از خواب خوش عیسیٰ نظر — دید ابلیس لعین را بر زبر

گفت اے ملعون چرا استادۂ — گفت خشتم زیر سر بنہادۂ

جملۂ دنیا چو اقطاعِ من است — ہست این خشت آنِ من این روشن است

تو تصرف می کنی در ملک من — خویشتن آوردۂ در سلک من

عیسیٰ آن از زیر سر بر تاب کرد — روی را بر خاک عزم خواب کرد

چون فگند آن نیم خشت ابلیس گفت — من کنون رفتم ز پیشت خوش بخفت

ہمارے ایک نامور مسلمان بزرگ کے صاحبزادہ جو کم عمری مین ولایت بھیجدیے گئے تھے جب وہان سے تعلیم پاکر لوٹے تو انکو اپنی مادری زبان اُردو بالکل ایک نووارد انگریز کی طرح از سر نو سیکھنا پڑی اس قسم کی مثالین نادر نہین ہین، جو طلبہ اتنی کم عمری مین نہین جاتے، اُنکی حالت بھی کچھ زیادہ بہتر نہین ہوتی، کم از کم اس طویل مدت کے لئے جب تک وہ آکسفرڈ اور کیمبرج کی آب وہوا مین رہتے ہین اُردو کو مطلقاً طاقِ نسیان کے حوالہ کردیتے ہین، ہندوستان کے اسکولون اور کالجون ہی مین اپنی زبان کی طرف ترغیب واعتنا کا کیا سامان تھا؟ ولایت جاکر یہ کڑوا کریلا نیم چڑھا جاتا ہے، اور وہان سے برسون کے بعد جب واپسی کی نوبت آتی ہے تو مشکل ہی سے کسی کو معمولی نوشت وخواند سے زاید اپنی زبان پر قدرت ہوتی ہے، بہتیرے بیرسٹرون کو دیکھا گیا ہے کہ جس زبان کو انھون نے شیر مادر کے ساتھ پیا تھا، اسمین روزمرہ کے بول چال مین لکنت اور معمولی خط وکتابت مین املا تک کی غلطیان کرتے ہین، اور کسی غیر معمولی مسئلہ پر انکی تقریر یا تحریر تو زعفران زار بنجاتی ہے۔

جس طبقہ کی حمیتِ قومی اس حد تک فنا ہوچکی ہے کہ اپنا مذہب، اپنی روایات، اپنا تمدن، اپنی تہذیب اور اپنی وضع وقطع ہر چیز کو کھو کر سراپا "غیر" بنجانے ہی کو اب تک سرمایۂ فخر ومباہات جانتا ہے اسکا تو ذہن بھی اپنی زبان سے جہل وبے پروائی کے ان غیرت سوز واقعات کی طرف نہ جاتا ہوگا، نہ اس سے ہمارا روئے سخن ہے، البتہ جو لوگ اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم جدید کے ساتھ بھی اپنے قومی عناصر ہستی کے بقا وتحفظ کو لازمی سمجھتے ہین اُن کے لئے یہ خبر یقیناً ایک مژدہ ہوگی کہ اُنکے بعض غیور فرزندون نے سات ہزار میل کے فاصلہ پر انگریزی زبان کی سب سے بڑی درسگاہ (کیمبرج) کے احاطہ مین بیٹھکر بھی اپنی زبان کی یکسر فراموشی کو گوارا نہ کیا، اور نوائے کیمبرج کے نام سے ایک راگ چھیڑ کر اُسکی یاد تازہ رکھنے کا سامان کیا ہے۔

حیاتِ السنہ کی سب سے بڑی ضامن ومحافظ شاعری ہے، انگلستان کی دُور دراز سرزمین مین بھی اول اول شاعری ہی کے جذبہ نے اُردو بولنے والون کو اردو کی یاد دلائی، اور کیمبرج وآکسفرڈ وغیرہ مین وقتاً فوقتاً مشاعرون کی محفلین منعقد ہوتی رہین، لیکن بالآخر کیمبرج کے چند ابنائے ہند کو احساس ہوا کہ مادری زبان کا حق صرف شاعرے کی تفریحی صحبتون سے ادا نہین ہوسکتا، اس احساس نے ایک مستقل "انجمن اُردو کیمبرج" کی بنیاد ڈالی، نوائے کیمبرج اسی انجمن کا ارگن اور ہندو ومسلمان طلبہ کی متحدہ مساعی کا ایک ثمرہ ہے۔

یونیورسٹی کا سال چونکہ تین ٹرم مین تقسیم ہے، اسلئے رسالہ کا بھی سال مین تین ہی بار نکلنا طے پایا ہے، پہلا نمبر پچھلے مہینہ شائع ہوچکا ہے، گو ضخامت وطباعت وغیرہ کی بعض کمیان اور خامیان اصلاح طلب ہین جنکا ایڈیٹر کو خود خیال ہے لیکن مجموعی حیثیت سے ظاہر وباطن دونون حوصلہ افزائی کے مستحق ہین، رسالہ نثر ونظم، سنجیدگی وظرافت کا ایک لذیذ مائدہ ادب ہے خصوصاً

ان لوگون کے لئے جو کیمبرج یا آکسفرڈ وغیرہ مین طالبعلمی کے لیل و نہار بسر کر چکے ہین "نوائے کیمبرج" کی خوش نوائیون کو ہر طرح ترقی دینے کا سب سے زیادہ فرض بھی انہی پر عاید ہوتا ہے، اس نمبر مین سب سے زیادہ دلچسپ مضمون نواب نصیر حسین صاحب خیال کا "کیمبرج مین دو شب" ہے ایک مختصر و فہمیدہ مضمون بعنوان "قومیت و مذہب" بشیر حسین صاحب زیدی (کیمبرج) کا ہے جو تعلیم جدید کے سرمست طالبان آزادی کے لئے انہی کے برادری کے ایک فرد کی جانب سے مناسب وقت تازیانہ تنبیہ ہے، ایک مضمون خود اسی، رسالہ کے متعلق مولوی عبد الماجد صاحب کا ہے جسمین اس کی ضرورت پر گفتگو کے علاوہ اسکی رہنمائی کے لئے بہت سے مناسب مشورے بھی دیئے گئے ہین۔

امید ہے کہ جس اتحاد و یگانگی کی روح کے ساتھ ہمارے ہندو مسلمان طلبہ نے سات سمندر پار ایک اہم ترین خدمت کو اپنے ذمہ لیا ہے، اُسی طرح بلکہ اس سے زیادہ یگانگی کے ساتھ اس خدمت کا خیر مقدم ہمارے کیسہ و قلم پر واجب ہے[۱]۔

---

[۱] مضامین و اشتہارات وغیرہ کے لئے مراسلت کا پتہ "آنریری سکریٹری اردو ایسوسی ایشن" نمبر ۴ پوسٹ آفس ٹریس کیمبرج (انگلینڈ) ہے، ہندوستان کے خریدارون کو رسالہ کی قیمت (جو ۴ سالانہ اور ۸ فی پرچہ ہے) نواب نصیر حسین صاحب خیال مسلم انسٹیٹیوٹ ولزلی اسکوائر کلکتہ کی معرفت بھیجنا چاہئے۔

مقالات

رعب حکومت یا خوف خدا

تاریخ رومہ کا ایک ورق

از مولوی عبد الماجد بی، اے

امور دنیوی، معاملات ملکی، مسایل سیاسی مین آخری حق فیصلہ کسکو حاصل ہے، مذہب کو یا سلطنت کو؟ اخلاق کو یا قانون کو؟ دار الافتار کو یا عدالت کو؟ حق و دیانت کو یا مصلحت وقت و تدبیر مملکت کو؟

یہ سوال اگر آج کسی متمدن، شایستہ، و تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے پیش کیا جائے تو اکثر لبون پر بے اختیار تبسم آجائیگا، اور جو لوگ متانت کے ساتھ کچھ جواب دینا چاہین گے اُنکی زبانون پر بھی اس قسم کے فقرے آئین گے کہ معاملات ملکی سے بھلا شریعت و اخلاق کو کیا واسطہ سیاسیات (پالیٹکس) خود ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے، اُسکا ایک خاص نظام قائم ہے مخصوص اصول و مقاصد ہین، اور مستقل قواعد و ضوابط ہین، اسے کسی بیرونی امداد کی کیا حاجت؟ معاملات سیاسی کا فیصلہ تمامتر مصالح ملکی ہی کی بنا پر ہونا چاہیئے، مواعظ اخلاقی و نصوص شرعی کی مداخلت سے خواہ مخواہ خلط مبحث پیدا ہوگا۔

موجودہ تہذیب و شائستگی کا جو مفہوم پھیلا ہوا ہے، اُسکے لحاظ سے یہ جواب حرف بحرف صحیح ہے، تمدن حاضرہ کا جو نقطۂ نظر ہے اسکے اعتبار سے سوال بالا یقیناً بالکل بے محل بلکہ

مضحکہ انگیز ہے، لیکن دنیا کی تاریخ اپنے ہر صفحہ مین نفسیات انسانی کے انقلابات کے بکثرت نمونے رکھتی ہے، جو عقیدہ ایک زمانہ مین جزو ایمان ہوتا ہے وہ دوسرے زمانہ مین مضحک بنجاتا ہے، جو مسائل کل ناقابل اتفاف سمجھے جاتے تھے وہ آج تحقیق و کاوش کے مرکز بنے ہوئے ہین، یہی نہین، بلکہ ایک ہی وقت مین روے زمین کے مختلف اقطاع نفس انسانی کی نیرنگیون کا تماشاگاہ بنے رہتے ہین، فرانس کے مسلمات پر افریقہ مین محالات کا حکم لگایا جاتا ہے، مصر کے اوہام چین مین حقائق کا مرتبہ رکھتے ہین، کہین کے بدیہات کہین نظریات کے صف مین بھی جگہ نہین پاتے۔

مسئلہ زیر نظر بھی اس کلیہ کی ایک دلچسپ مثال ہے، تہذیب جدید بلا شبہہ اس تصور سے بھی لرز اٹھتی ہے، کہ سیاسیات کو کسی کا محکوم و ماتحت بنا کر رکھا جائے، لیکن آج سے چند صدیاں پیشتر متعدد قومین ایسی تھین جنکا پختہ ایمان یہ تھا کہ بادشاہ افتاب نہین، سایہ آفتاب ہے، خدا نہین، نائب خدا ہے، حاکم نہین، راعی ہے، اور قادر و آمر نہین، محض امین و محافظ ہے، اسلئے اسکے تمام احکام، احکم الحاکمین کے ماتحت، اسکے تمام اختیارات رب الارباب کے تابع، اور اسکے تمام قوانین، قانون الٰہی کے محکوم ہین، اور ہر حق اطاعت، ہر مصلحت ملکی، ہر تدبیر سیاسی سے اہم تر، بالاتر، و بلند تر حقوق عبودیت و عبادت، اور فرائض دیانت و راستی و راستبازی، عدل و صداقت ہین،

ہندوؤن نے اپنے دور عروج مین برابر اسی اصول کو پیش نظر رکھا، انکی اصطلاح مین برہمن کا اطلاق اُس شخص پر ہوتا تھا جو علم و فن، فضل و کمال، زہد و تقوی، عبادت و ریاضت پاکیزگی و پرہیزگاری مین ممتاز ہو، اور عزت و احترام کا سب سے زیادہ مستحق وہی سمجھا جاتا تھا دولت دنیوی کی فراہمی اسپر حرام تھی، اسکی زندگی فقر و فاقہ مین بسر ہوتی تھی باایں ہمہ بڑے سے

بڑے راجہ مہاراجہ پر اسکی قدمبوسی فرض تھی، بارہا ایسا اتفاق ہوتا کہ ایک مقتدر چھتری فرمانروا، خدم و حشم کے ساتھ، ہاتھی پر سوار سڑک سے گذر رہا ہے، سامنے سے ایک غریب فاقہ کش برہمن چلا آرہا ہے، جسکے پیر مین جوتی تک نہین، اُسے دیکھتے ہی بادشاہ فیل زرنگار کو روک کر اس سے اترتا ہے، اور برہنہ سر و برہنہ پا برہمن کی خاک پا کو بکمال فخر اپنے لئے سرمۂ چشم بناتا ہے! برہمن کا فرض ہوتا تھا کہ بادشاہ کے حضور مین حق کی حمایت کرے اور مظلومون کی دادرسی کرائے، اور بادشاہ پر فرض تھا کہ حتی الامکان اسکے ارشادات کی تعمیل کرے، پالٹکس اس دور مین سرتاپا مذہب و اخلاق کے ماتحت تھی۔

مسلمانون نے اپنے قرون اُولیٰ مین اس اصول کو اس سے بھی زیادہ سختی سے برتا، قرآن نے اپنے نزول کے ساتھ ہی دنیا مین یہ منادی کردی کہ عزت و تکریم صرف خدا، رسول اور باایمان بندون کے لئے ہے، خدا کی نظر مین عزت و تکریم کا معیار صرف تقوی و پرہیزگاری ہے، حسب و نسب، جاہ و مال، امارت و ثروت، یہ تمام چیزین بے حقیقت ہین، انسان کو برگزیدہ و محترم بنانے کے لئے صرف ایمان و عمل صالح کی ضرورت ہے، اس قسم کے احکام قرآن مین اس تواتر اور اس تصریح کے ساتھ ملتے ہین کہ ان سے چشم پوشی ممکن ہی نہین، مسلمانون نے اپنی عملی زندگی مین اس تعلیم کو یہانتک ملحوظ رکھا کہ اپنے مستند بادشاہ کے لئے جو اصطلاح قرار دی اس سے بھی کسی فرمان رواے غیر مسئول و خود مختار کا مفہوم نہ پیدا ہونے دیا، بلکہ "خلیفہ" سے موسوم کیا، جسکے معنی نائب یا "جانشین" کے ہین، (آگے چل کر ظل سبحانی، قدر قدرت وغیرہ کی جو اصطلاحات قائم ہوئین، یا سلاطین کو نور الدین، محی الدین، جلال الدین، ضیاء الملۃ والدین، سراج الملۃ والدین، وغیرہ کے جو القاب دیئے گئے وہ سب اسی طرز خیال کی ترجمانی کرتے ہین) خلفاے راشدین کا ذکر نہین، زمانۂ مابعد مین بھی اکابر علماء و مشائخ کے حالات مین

کثرت سے ایسے واقعات ملتے ہین کہ سردربار اُنھون نے بڑے بڑے گردن کش سلاطین کو انکی غلطیون پر ٹوک دیا ہے، انکی بداعمالیون پر احتساب کیا ہے، اُنکی لغزشون پر نکتہ چینی کی ہے، انکے غیظ و غضب کے عالم مین مظلومون کی حمایت کی ہے، دادخواہون کی وکالت کی ہے، منہ لگے عہدہ دارون کو سزا دلائی ہے، اور اکثر تخت نشین و تاج پوش گردنون کو ان خاکسارون کے قدمون پر جھک جانا پڑا ہے، یہ وہ زمانہ تھا، جب پالیٹکس کو اخلاق کے، قانون کو ایمان کے، اور مصالح سیاسی کو حدود ربانی کے ماتحت و محکوم رہنے مین مطلق عار نہ تھا۔

ہندوؤن اور مسلمانون سے قطع نظر کیجیے کہ انکی تاریخ سے موجودہ "روشن خیال" "شایستہ" و تعلیم یافتہ جماعت کے مقابلہ مین استناد نہین کیا جاسکتا، مگر لطف یہ ہے کہ قدیم مسیحی قومین بھی اس تعلیم کے اثر سے خالی نہین نظر آتین، رومن قوم اپنی شہنشاہی کے ایک کثیر زمانہ مین مسیحی قوم تھی، اسکا تمدن مسیحی تمدن سمجھا جاتا ہے، اُسکی تہذیب موجودہ تہذیب کا نقش اول خیال کیجاتی ہے، اُسکی زبان و معاشرت، اسکا علم و ادب، اُسکے فنون و صنایع، ہر شے موجودہ یورپ کے نزدیک مستحق التفات و قابل استناد ہے، اسلئے اگر اسکی تاریخ کی مدد سے مسئلہ زیر بحث پر روشنی ڈالیجائے تو غالباً ناموزون نہو،

چوتھی صدی کے اختتام مین بارہ تیرہ سال کا زمانہ باقی ہے، رومہ کی عظیم الشان شاہنشاہی ابھی دو حصون (شرقی و غربی) مین تقسیم نہین ہوئی ہے، بلکہ ابھی تک کل صوبے ایک ہی مشترک حکومت کے زیر سایہ ہین، تخت شاہی پر شہنشاہ تھیوڈوسیس اعظم جلوس فرو ز ہے، سلطنت رومہ اسوقت "دنیاے متمدن" کے مرادف تھی، اس لحاظ سے شہنشاہ تھیوڈوسیس محض سلطنت رومہ ہی کا نہین بلکہ گویا کل عالم متمدن کا تاجدار تھا۔

تھیوڈوسیس ایک فوجی جنرل کا فرزند تھا، اور خود بھی شروع سے حربی تعلیم پائے ہوے تھا، جسوقت وہ تخت نشین ہوا ہے، رومی سلطنت نرغۂ اعدا مین محصور تھی، قوم گوتھ کا فاتحانہ دل بادل امنڈتا ہوا چلا آتا تھا، اور رومیون کے ہاتھ سے متعدد صوبے نکل چکے تھے، صرف ایک بیڈریانوپل کے میدان مین انکی چالیس ہزار سپاہ کام آچکی تھی، اور غنیم کے ایک سردار نے علانیہ کہنا شروع کردیا تھا کہ ہم تو رومیون کو قتل کرتے کرتے تھک گئے، اس نازک وقت مین عنان سلطنت تھیوڈوسیس کے ہاتھ مین آئی، اُسکے اورنگ نشین ہوتے ہی واقعات کا پانسہ پلٹا، فاتحین کو شکستین ہونے لگین تاآنکہ چند روز مین اُسکی مردانگی و شجاعت، تدبیر و فرزانگی کے اثر سے مغرور قوم گوتھ کو دب کر صلح کرنا پڑی۔

برطانیہ (جو اسوقت رومی سلطنت کا ایک صوبہ تھا) کا صوبہ دار میکزیمس ایک نہایت پرقوت فوجی افسر تھا، ۳۸۳ء مین برطانیہ کے صوبہ نے بادشاہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اور یہ افسر اُن کا رہبر و رہنما بنا۔ یہ آندھی کی طرح اُٹھا اور چشم زدن مین صدہا مقامات سخر کر لئے، شہنشاہ گریشین[۱] اسوقت پیرس مین مقیم تھا، میکزیمس نے خود اس پر حملہ بول دیا، بادشاہ کو بجز فرار کے مفر کی صورت نظر نہ آئی، لیکن قسمت نے یاوری نکی بھاگتے مین گرفتار ہوا، اور دیکھتے ہی دیکھتے اسکا سر باغی افسر کی شمشیر کی زد مین آگیا، شہنشاہ وقت کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، سارا ملک اس سرے سے اُس سرے تک تھرا اُٹھا اور

[۱] واضح رہے کہ اس زمانہ مین دو رومی شہنشاہ ایک ساتھ فرمان روائی کرتے تھے، مملکت کے دو حصے کردئے گئے تھے، غربی و شرقی، مملکت غربی کا دار السلطنت رومہ تھا، اور شرقی کا قسطنطنیہ، گریشین مملکت غربی کا فرمان روا تھا، اسکی وفات کے بعد "دو پادشاہ در اقلیمے نہ گنجند" کا مقولہ صادق آنے لگا، یعنی دو حکمت عملی کا دستور اٹھ گیا۔

سب کو یہ یقین ہوگیا کہ چند لمحون مین تاج شہنشاہی میکزیمس کے سر پر ہوگا، اُس کا سفیر تہیوڈوسیس کے دربار مین بھی آیا، تہیوڈوسیس کی مصلحت شناسی اس موقع پر کام آئی اس نے ایسے شرائط میکزیمس کے سامنے پیش کئے کہ اُس نے ہوس شہنشاہی اپنے سر سے دور کرکے ہتیار ڈالدیئے، اور بغیر لڑے بھڑے تہیوڈوسیس کے حق مین ہوگیا، چند سال کے بعد اس منچلے افسر نے پھر سر اُٹھایا اور اٹلی پر حملہ کیا، اب کی مرتبہ تہیوڈوسیس نے میدان جنگ مین نکل کر اسکا مقابلہ کیا، اور چند ہی روز مین سرکش سردار کا بیجان سر اُسکے قدمون پر لوٹ رہا تہا۔

اس قسم کے واقعات نے تہیوڈوسیس کی عظمت وجبروت کا سکہ ایک عالم کے دلون پر بٹہا دیا۔ رعایا دل سے اسکی گرویدہ ہوگئی، دُور دُور کے سلاطین اُسکی جانب جُھکنے لگے معاہدون اور صلحنامون کی درخواستین اکثر معاصر سلاطین کی جانب سے پیش ہونے لگین جنہین تہیوڈوسیس اپنے مصالح اور اپنے خاطرخواہ شرائط کے موافق منظور کرتا رہا۔

اس جلیل القدر فرمان روا کے زیر نگین، ایشائی صوبہ انطیوخ بہی تہا، یہانکی مسیحی رعایا عموماً ایرین فرقہ سے تعلق رکہتی تہی، بادشاہ کیتہولک طریقہ کا متبع تہا، اور اپنے عقاید مین بہت ہی سخت تہا، ایرین طبقہ کے ساتھ اُسکے عہد مین ہر قسم کا تعصب روا رکہا گیا، اِسلئے اس فرقہ مین تدریجاً اسکے خلاف برہمی وناگواری کے جذبات پیدا ہوئے جو اندر اندر نشو ونما پاتے رہے اتفاق سے اسی زمانہ مین انطیوخ کی مذہبی سرداری کی جگہ خالی ہوئی، اور اسکے لئے تین پادری امیدوار ہوئے بادشاہ نے ان مین سے دو کو ناقابل قرار دیکر تیسرے کے حق مین فیصلہ کیا، ان دونون نے اپنی ناکامی کا باعث بادشاہی کی ذات کو قرار دیا، اور اپنے وطن مین آکر اسکے خلاف اور اشتعال پہیلانا شروع کیا۔

قوم گوتہہ کے خلاف سلسلۂ محاربات جو عرصہ تک جاری رہا تہا وہ اگرچہ تہیوڈوسیس کی مردانگی وخوش تدبیری سے کامیابی کے ساتھ ختم ہوچکا تہا، تاہم اس طویل جنگ سے خزانۂ شاہی پر غیر معمولی بار پڑگیا تہا، جسکے پورا کرنے کی کوئی صورت بجز اسکے نہ تہی کہ رعایا کے ٹیکس مین اضافہ کیا جاے، مصارف جنگ کے پورا کرنے کا یہ طریقہ جسطرح آج متمدن ممالک مین عموماً رائج ہے، اُسوقت بھی عام تہا، چنانچہ دوسرے صوبون نے بخوشی اُسے گوارا کرلیا، لیکن چونکہ یہ جنگ مملکت کے مغربی حصون مین انطیوخ سے بہت فاصلہ پر واقع ہوئی تہی، جسکا کوئی اثر مشرقی علاقون والون پر نہ تہا، اِسلئے انطیوخ کو یہ بار سخت ناگوار گذرا، اور یہان والون نے شہر کے حاکم کے پاس جمع ہوکر عذر معذرت کرنا چاہی۔

حاکم شہر نے اپنی نافہمی سے بجائے ان لوگون کو تسلی وتشفی دینے کے ان کے ساتھ بلا ضرورت تشدد کی کاروائیان شروع کین، ناگواری وبرہمی کے اسباب رعایا مین پہلے سے موجود تھے، حاکم کا یہ برتاؤ اُنکے سمندِ غضب پر تازیانہ ہوگیا، ۲۶ فروری ۳۸۷ء کو بادشاہ کے دس سالہ عہد حکومت کا جشن تہا، اس روز ستم یہ ہوا کہ سپاہ کو تو ہر طرح کے انعام واکرام تقسیم ہوئے، اور عام رعایا منہ دیکہتی رہ گئی۔

اب غصہ کا ضبط کرنا ان لوگون کے بس کی بات نہ تہی، اسی جشن کی تاریخ کو بلوہ شروع ہوگیا، عوام جب بغاوت پر آمادہ ہوجاتے ہین تو جائز وناجائز، صحیح وغلط، مناسب ونامناسب کے امتیازات اُنکی نظرون سے مٹ جاتے ہین، بلوہ شروع ہوا اور پوری قوت کے ساتھ شروع ہوا، سرکاری عمارتین، عدالتین وغیرہ نذر آتش کی گئین، بادشاہ کی ذات کی اسوقت مثل معبود کے پرستش ہوتی تہی، اور شاہی خاندان کے افراد دیوتا کا مرتبہ رکہتے تھے، ان لوگون کے سنگین مجسمے جو ہر بڑے شہر مین نصب رہتے تھے، مثل معبد کے

کام دیتے تھے، لوگ اُن کے آگے نذر نیاز چڑہاتے، دعائین مانگتے، سجدہ کرتے اور ان کا نام بے ادبی سے لینا گناہِ عظیم سمجھتے، شہنشاہ تھیوڈ وسیس، اسکے والد، اسکی محبوب ملکہ اور اُسکے دونون فرزندون کے بت یہان بھی نصب تھے، رعایا نے اپنے جوشِ غضب مین ان بتون کو اُکھاڑ پھینکا، اُنھین ریزہ ریزہ کیا، اُنھین کمال تحقیر سے سڑکون پر گھسیٹا، اور ہر ممکن طریقہ سے اُنکی توہین و تذلیل کی، یہ جرم بجائے خود اس درجہ کا تہا کہ اگر اس پر سارے شہر کے "توپ دم" کردیئے جانے کا حکم جاری کردیا جاتا تو اس زمانہ کے دستور و قانون کے لحاظ سے کسی کو تعجب نہ ہوتا۔

ادہر رعایا تو اس قانون شکنی مین مصروف تھی، اُدہر صوبہ دار نے فوج کے ایک دستہ کو بلاکر تیر اندازی شروع کرا دی، رعایا سراسیمہ ہوکر بھاگی، اور دیکھتے دیکھتے بلوہ فرو تہا۔

بغاوت کے فرو ہوتے ہی صوبہ کے گورنر نے شہنشاہ کے حضور مین مفصل روداد روانہ کی، انطیوخ سے دار السلطنت کا فاصلہ ۸۰۰ سو میل کا تہا، ریل و تار کی عدم موجودگی مین اتنی دور خبر پہنچانا اور پھر وہان سے احکام حاصل کرنا ایک دن کا کام نہ تہا، تین ہفتہ ہوگئے اور ابھی کوئی فیصلہ صادر نہین ہوا، البتہ اس اثنا مین غضب سلطانی کے متعلق طرح طرح کی افواہین شہر مین گرم ہو رہی تہین، جن سے اہل شہر کے دل ہلے جاتے تھے، ایک خبر یہ تھی کہ شہنشاہ نے اپنی اور خصوصاً اپنی محبوب ملکہ کی توہین پر برافروختہ ہوکر یہ حکم دیدیا ہے کہ پورا شہر کھدوا کر گدہے کے ہل چلا دیئے جائین، دوسری افواہ یہ تھی کہ ہر شریک و معاون جرم بلکہ عدم مانعِ جرم کے لئے بلا لحاظ عمر و صنف قتل عام کا فرمان جاری ہوگیا ہے، وقس علی ہذا، ہول و دہشت سے مضطر ہوکر لوگون نے از خود جلا وطنی اختیار کرلی، اور اکثرون نے بیابان و کوہستان مین جاکر روپوشی اختیار کی۔

بالآخر ۲۲- مارچ ۶۵ء کو فرمان شاہی صادر ہوا، تعزیر نامہ کا پہلا خلاصہ یہ تہا کہ انطیوخ صدر صوبہ کے درجہ سے گر کر محض ایک گاؤن کی حیثیت رکھیگا، اُسکے باشندے حقوق شہریت سے محروم ہونگے، باشندون کو جو غلہ تقسیم ہوتا تہا، اسکا سلسلہ مسدود کیا جائیگا، شہر کے حمام، سرکس، تھیٹر، اکہاڑے، وغیرہ سب توڑ دیئے جائین گے، شہر کی معافیان، باغ وغیرہ سب ضبط ہونگے، اور آیندہ سے محصول و مالگذاری کی تشخیص و وصولی لاوڈیسیا نامی ایک قصبہ سے متعلق رہیگی، جو وہان سے ۶۵ میل کے فاصلہ پر تہا، یہ سزائین تو سارے شہر سے متعلق تہین انکے علاوہ ایک کمیشن جو ایک فوجی جنرل ہیلیبیکس، اور ایک سول عہدہ دار قیصر یس پر مشتمل تہا، ملزمون کی تحقیقات کریگا، اور نہ صرف ان لوگون پر جو براہِ راست مرتکب جرائم ہوئے تھے بلکہ ان افراد پر بھی جو شاہی مجسمون کی توہین کے وقت سکوت کے ساتھ تماشہ دیکھتے رہے، فردِ جرم عاید ہوگی۔

فرمان کے صادر ہوتے ہی شہر کے مرکزی حصہ مین کمیشن کے لئے سرکاری عدالت قائم کیگئی، جسکے چارون طرف مسلح سپاہیون کا حصار رہتا تہا، کمیشن نے اپنا اجلاس شروع کیا اور شہر کے بڑے بڑے امیر و رئیس پابزنجیر اسکے سامنے لائے جانے لگے، اظہارات شروع ہوئے اور انکے ساتھ ہر قسم کی تہدید و تعذیب بھی، لوگون سے مار مار کر اقبال جرم کرایا جاتا، اور اکثرون کو جہوٹ بولنے پر مجبور کیا جاتا، ملزمون کے مکانات نیلام پر چڑہا دیئے گئے، اور جو لوگ شام تک بڑی بڑی جائدادون اور املاک کے والی و مالک تھے، دوسری صبح کو اُنکے اہل و عیال نانِ شبینہ کے محتاج ہوگئے، مورخین کا بیان ہے کہ اس روز عدالت کا صحن میدان حشر کا نمونہ پیش کر رہا، اور خیال یہ تہا کہ شام ہوتے ہوتے حکم سنا دیا جائیگا۔

یہ سب کچھ تہا لیکن اہل شہر بھی اپنی تدابیر سے غافل نہ تھے، جونہی بلوہ فرو ہوا تہا اُسی

وقت سے وہ یوم احتساب کے تصور سے لرز رہے تھے، اپنے فوری جوش و اشتعال پر انہین خود تاسف تہا، اور اُن کے قلوب ندامت سے معمور ہو رہے تھے، انھون نے اپنے شہر کے پادری فلیوین کو اپنا نمایندہ بناکر پایہ تخت کو روانہ کیا کہ دربار سلطانی مین حاضر ہوکر انکی ندامت و تاسف کا اظہار، اور انکی طرف سے عرض معروض کرے، اور اُسکی اعانت کے لئے ایک نامور سیاسی شخص ہیلیریس کو بھی اُسکے ہمراہ کر دیا تہا، یہ وفد تو پایہ تخت روانہ ہو چکا تہا، اِدہر جس وقت کمیشن کے روبرو اظہارات ہونے لگے، مسیحی زاہدون اور راہبون کا گروہ جو بیابانون اور پہاڑون کے اندر معاملات دنیوی سے الگ، عبادت و ریاضت مین مصروف رہا کرتا تہا، اہل شہر کے نالہ و فغان سے متاثر ہوکر اپنی عمر مین پہلی بار آبادی کی جانب توجہ کی، اور تعداد کثیر مین کمیشن کے سامنے آکر حضرت مسیح کے مقدس و متبرک نام پر رحم و کرم کی التجا کی، آج اگر کوئی راہب و زاہد اس طرح کی جرات کر بیٹھے تو موجودہ متمدن حکومتین اس مداخلت بیجا کا جواب یقیناً برچھیون اور سنگینون سے دین، لیکن رومہ کے فوجی افسرون تک کے پہلوؤن مین انسانی قلوب تھے، ان پر مسیح کے نام اور استدعا رحم کا اثر ہوا، انکی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، اور انھون نے ایکبار پھر منشاے خسروی کے دریافت ہونے تک حکم سنانا ملتوی رکھا، چنانچہ کمیشن کا ایک رکن قیصریس اس غرض کے لئے پایہ تخت کو روانہ ہو گیا، انطیوخ والون کا مرسلہ وفد اس اثنا مین دربار سلطانی مین باریابی حاصل کر چکا تہا، اور مسیحی گلہ کے گلہ بان پادری فلیوین نے حضرت مسیح کا واسطہ دلا دلا کر رحم و عفو کی جو التجا ئین کی تہین وہ اپنا کام کر چکی تہین، چنانچہ قیصریس جب خدمت سلطانی مین حاضر ہوا ہے تو عتاب خسروی شفقت و مرحمت سے تبدیل ہو چکا تہا، لیکن سننے اور یاد رکھنے کے قابل یہ واقعہ ہے کہ عین قہر و جلال کے وقت بھی بادشاہ کو اصلی شکایت اپنی اور ملکہ کی توہین کے

متعلق نہ تھی بلکہ اس امر کی تھی کہ

"مین جنلوگون کی دوستی و محبت پر اعتماد رکہتا تہا، مجہسے اسطرح پیش آے"۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۵-اپریل ۳۸۷ء کو ایک عام معافی نامہ شاہی دستخط سے شایع ہوا، کل اہل شہر کی خطا بخشی گیگئی، قیدخانہ کے دروازہ کہول دیئے گئے، جو لوگ حراست مین تھے، خواہ محض شبہہ، خواہ کافی ثبوت کی بنا پر سب کے سب رہا کئے گئے، جو مجرم ہر وقت سزاے قتل کے متوقع تھے، اُنھون نے دوبارہ زندگی پائی، جنکی جائدادین ضبط ہو گئی تہین وہ اُنہین واگذار ہو کر ملین، جلاوطن پھر وطن کو واپس آئے، اور شہر انطیوخ از سر نو صوبہ کا دار الحکومت قرار پایا۔

یہی نہین، بلکہ جو لوگ اس باب مین بادشاہ کے سامنے شفیع کی حیثیت سے پیش ہوئے تھے، وہ ان سب کا ممنون ہوا، پادری فلیوین کو اس نے خاص اعزاز و احترام کے ساتھ رخصت کیا اور دلی شکریہ ادا کیا کہ اُن کے باعث اسے اس عمل صالح کی توفیق ہوئی، ہیلیریس کو فلسطین کی گورنری عطا ہوئی و قس علیٰ ہذا۔

یہ سب کچھ تو ہوا، لیکن کہہ سکتے ہو کہ ان واقعات کے سیاسی نتائج بہت ہی مضر نکلے ہونگے، باغیون کی شوخ چشمی و دیدہ دلیری اور بڑھ گئی ہوگی ہیبت سلطانی دلون سے اُٹھ گئی ہوگی، جرائم کی کثرت ہو گئی ہوگی، اور بادشاہ کو خود آگے چل کر اپنی اس بے محل عفو و درگذر پر ندامت ہوئی ہوگی۔

یہ تمہارا قیاس تہا، اب دیکہو، تاریخ کا راوی صادق البیان اسکے متعلق کیا خبر دیتا ہے، اہل انگلستان مین گبن تاریخ رومہ کا بہترین ناقد و محقق سمجہا جاتا ہے، اسکے الفاظ یہ ہین :-

ایک ہزار برس ہوئے تھیوڈوسیس کے ترحم کی یادگار مین نصب ہو گئے، رعایا کی

تحسین کی تائید خود اسکے ضمیر کی صداے آفرین سے ہوتی رہی اور شہنشاہ نے اعتراف کیا کہ اگر عدل و معدلت ایک فرمانروا کا سب سے مقدم فرض ہے تو عفو و ترحم اسکے لئے سب سے زیادہ لذیذ نعمت ہے[1]۔"

آج جو ارباب اقتدار، خوف خدا پر رعب سلطنت کو مقدم رکھتے ہین، اور رحم و کرم عفو و درگذر، بلکہ عدل و معدلت کو بھی تحفظ حکومت کے منافی سمجھتے ہین، اگر حضرت مسیح کی تعلیم کو موجودہ دور تمدن مین ناقابل عمل پاتے ہین تو کیا ایک نہایت کامیاب و متمدن مسیحی رومی فرمانروا کا اسوۂ عمل بھی اُنکے لئے شمع ہدایت نہین بن سکتا؟

اسی فرمانروا کے عہد کا ایک دوسرا واقعہ اس سے زیادہ بصیرت آموز و قابل ذکر ہے۔ رومی سلطنت کے غربی حصہ کو صوبجات الیریا سے موسوم کرتے ہین، یہ علاقہ چونکہ گوتھ حملہ آورون کی عین زد پر تھا اسلئے یہان کے صدر مقام تھیسا لونیکا مین فوج بہت بڑی تعداد مین رکھی جاتی تھی، ۳۹۰ء کا واقعہ ہے کہ یہان کی فوج کا افسر جنرل بوتھرک تھا جو اپنی مردانگی، خیر خواہی و دانشمندی کی بنا پر شہنشاہ تھیوڈوسیس کی نظر مین خاص طور پر عزیز تھا، رومیون کی قوم مین اسوقت امرد پرستی و شاہد بازی کا مرض عام تھا، بوتھرک کی خدمت مین ایک خوشرو امرد کام کرتا تھا، اسکی شکل و صورت کو دیکھکر سرکاری سرکس کے ایک مشہور کرتب دکھانے والے کے جذبات شہوانی کو تحریک ہوئی اور عملاً بھی اس سے بعض سخت بیہودگیان سرزد ہوئین، بوتھرک نے جرم ثابت پاکر اُسے قید کر دیا۔

سزا بالکل منصفانہ تھی، لیکن سرکس کے دن لوگون نے اپنے محبوب تماشاگر کو نہ موجود پاکر اسکی موجودگی کے لئے شور و غل مچایا، اور جب اصلیت معلوم ہوئی تو بجاے خاموشی اختیار کرنے کے اُلٹی اسکی رہائی کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا، ظاہر ہے کہ اس درخواست کو کوئی

[1] گبن رومن امپائر جلد ۳

بھی ذمہ دار افسر منظور نہین کرسکتا تھا نامنظوری کی صورت مین عامۃ الناس کی برہمی بڑھی رعایا پہلے ہی سے اپنے گورنر سے کچھ ناخوش تھی، اس واقعہ نے آگ پر تیل چھڑک دیا، سوء اتفاق سے فوج کی تعداد بھی اس زمانہ مین بہت کم رہ گئی تھی، اور جو سپاہ تھی اُسکا بھی ایک حصہ غدارون سے مل گیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ تھیسا لونیکا مین بغاوت ہوگئی، سرکاری حکام چن چن کر قتل کئے گئے جنمین جنرل بوتھرک بھی تھا، اور پھر شقی القلب باغیون نے ان افسرون کی پارہ پارہ نعشون کی بہ کمال بیحرمتی و بیدردی سارے شہر مین تشہیر کی۔

بادشاہ کو جسوقت اپنے محبوب جنرل اور دوسرے افسرون کے خون ناحق کی خبر پہنچی تو اُسکے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی، دربار کے پادریون نے مسیح کا نام لے لیکر اسوقت بھی اس آگ کو فرو کرنا چاہا تھا، لیکن بعض وزراے سلطنت نے اپنی اشتعال انگیز تقریرون سے بادشاہ کو پورے اور عبرت انگیز انتقام پر آمادہ کر دیا، چنانچہ بربرون کی جو اپنی سفاکی و بیدردی کے لئے مشہور تھے، ایک جماعت، قتل و ہلاکت کے پورے اختیارات سے مسلح کرکے اہل تھیسا لونیکا پر مسلط کر دیگئی، اور حصول مقصد کے لئے ذرائع کے جائز و ناجائز ہونے کی قید اُٹھا دیگئی۔

اسکے بعد ایک روز صوبہ دار کی طرف سے کل اہل شہر کو سرکاری حیثیت سے سرکس مین مدعو کیا گیا، اہل شہر کی تماشا پسندی و ہوس تفریح کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس دعوت نامہ پر ذرا بھی شک و اشتباہ کئے بغیر سب کے سب تماشا دیکھنے کی غرض سے جمع ہو گئے، اہل حل و عقد نے دیکھا کہ سارا شہر فراہم ہو چکا ہے تو سپاہ کو جو کمین گاہ مین اشارہ کی منتظر تھی ایما کیا گیا، قتل عام شروع ہو گیا، بوڑھے، بچے، عورت، مرد، مسلح غیر مسلح، تندرست، اپاہج، کسی کی تفریق باقی نہ رہی، اور عزرائیل کے نائبین اپنا کام انتہائی تیزی کے ساتھ انجام

دینے لگے، شہر کے ہر گلی کوچہ مین خون کے دہارے بہنے لگے، در و دیوار پناہ مانگنے لگے، سب سے ہلکے تخمینہ کے بموجب تہوڑی دیر مین سات ہزار نعشون کے ڈہیر لگ گئے، ورنہ بعض مورخین نے کشتون کی تعداد پندرہ ہزار اور بعض بیس ہزار بیان کرتے ہین!

اسوقت جو صاحب لاٹ پادری کے منصب پر مامور تھے، ان کا نام ایمبروز تہا، اُنکا شمار آگے چل کر مسیحی اولیاء اللہ مین ہوا، اور تاریخ نے اُنکے نام کے ساتھ جز و سینٹ (شاہ) کا اضافہ کرنا ضروری سمجہا، اُن کا زہد و تقوی، ورع و تقدس سب کو مسلم ہے، انکی زندگی عام پادریون اور ارکان کلیسا کی سی زندگی نہ تھی، بلکہ ایسی تھی جیسی ایک نائب مسیح کی ہونی چاہیئے جاہ پسندی و طمع زر، مکر و تملق کا اُن کے ہان گذر نہ تہا، بلکہ اسکے برعکس خلوص و دیانت، حق گوئی و حق پرستی، بیخوفی و آزادی اُنکی زندگی کے مخصوص فضائل تھے۔

ایمبروز کو جب اس بیدریغ قتل و خون ریزی کی اطلاع پہنچی، تو خوف خدا سے لرز اُٹہا، جس شریعت کی یہ تعلیم ہو کہ داہنے گال پر طمانچہ مارنے والے کے سامنے بایان گال بھی پھیر دینا چاہیئے، اسکا کوئی متبع انسانی خون بہانے مین اسقدر بیباک ہو، یہ تصور کر کے اسکے جسم پر رعشہ پڑ جاتا تہا، آخر فرط غم و حزن سے بیقرار ہو کر ایمبروز شہر چھوڑ کر دیہات کو چلا گیا اور وہان سے بادشاہ کے نام ایک مفصل خط لکہکر بہیجا جسمین اس معصیت عظیم پر توجہ دلائی تھی، اور یہ لکہا تہا کہ اسکا اگر کچھ علاج ممکن ہے تو وہ محض توبہ و استغفار کے اشکہاے خونین ہو سکتے ہین۔

آج مسیحی عقاید تمام مہذب و متمدن دنیا مین محیط ہین، اور کلیسا کے عہدہ دارون مین صدہا بلکہ ہزارہا مدعیان حق گوئی نکلین گے، لیکن اس وسیع دنیا مین کوئی ایک شخص بھی جرارت رکہتا ہے کہ ایمبروز کی طرح کسی دنیوی فرمانروا کے سامنے امر بالمعروف کا فرض انجام دیسکے؛ روس کا عظیم الشان رقبہ جو سالہا سال سے سبعیت و قساوت کا تماشاگاہ بنا ہوا ہے، جرمنی کی

سلطنت جس نے دوران جنگ مین اپنی سفاکی کی ناقابل فراموش یادگارین قائم کر دی ہین آئرلینڈ کی سرزمین جسکا چپہ چپہ انسانی سنگدلی کا داستان گو ہے، کانگو (افریقہ) کا علاقہ (مقبوضہ بلجیم) جو استبداد و شقاوت کی ایک مجسم تاریخ ہے، پنجاب کا میدان جہان ۱۹ء میں خون کا دریا بہا دیا گیا تہا، یہ اور اسی طرح کے سیکڑون واقعات جو روزمرہ پیش آتے رہتے ہین، کیا ان حضرات کے لئے جو نیابت مسیح کا دعوی کرتے ہین نامعلوم و مخفی ہین؟

خیر یہ ایک جملہ معترضہ تہا، ذکر یہ تہا کہ ایمبروز نے ایک پُراثر و عظت نامہ شہنشاہ اعظم کے نام لکہکر بھیجا، تہیوڈوسیس اس اثنا مین خود ہی ایک حد تک اپنی اس حرکت پر منفعل ہو چکا تہا، اپنے ہادی و مرشد کا یہ پندنامہ دیکہکر اور زیادہ متاثر ہوا اور ارادہ کیا کہ حسب معمول میلان کے شاہی کلیسا مین نماز ادا کرے، اور اُسکے بعد خضوع و خشوع کے ساتھ وہین اپنے معاصی سے توبہ کرے، اس قصد سے وہ روانہ ہوا، اور کلیسا کے حدود مین داخل ہوا، لیکن ابھی برآمدہ کے زینہ ہی پر تہا کہ ایمبروز راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور باواز بلند للکار کر کہا کہ "خدا کا باغی خانۂ خدا مین قدم رکہنے کی اجازت نہین پا سکتا"۔

حاضرین ایمبروز کی اس جرات پر ششدر رہ گئے، لیکن خود تہیوڈوسیس کو جو قلب سلیم رکہتا تہا، معاً یہ نظر آ گیا کہ دنیا کا سب سے بڑا فاتح و حاکم بھی رب الارباب و احکم الحاکمین کے ایک ادنیٰ خادم کے سامنے کسقدر بے حقیقت ہے، بڑہتے ہوئے قدم رک گئے اور ڈرتے ڈرتے اُسکی زبان سے صرف یہ نکلا کہ

"آخر داؤد پیغمبر بھی تو قتل انسانی کے مرتکب ہوئے تھے"۔

پادری ایمبروز اس سوال سے ساکت ہونیوالا شخص نہ تہا، اُس نے برجستہ جواب دیا کہ

"یہ بھی یاد ہے کہ داؤد پیغمبر نے توبہ و استغفار بھی کیسا کیا تہا؟"

بادشاہ نے لاجواب ہوکر حسرت وندامت سے گردن جھکالی، بالآخر امبروز نے فتویٰ یہ صادر کیا کہ رومہ کا یہ شہنشاہ اعظم تخت وتاج سے دست بردار ہو، لباس شاہانہ اُتار دے، اور اس حالت مین گریہ کنان اور بہ کمال تذلل وانکسار پا برہنہ کلیسا کے اندر آئے، اور ساری خلقت کے روبرو خضوع وخشوع کے ساتھ اپنے معاصی کا اقرار اور اُن پر استغفار کرے!

وہ سر جو کل تک سب سے اونچا تھا، اب نیچا ہوا، وہ اُٹھی ہوئی گردن جسکی ایک حرکت پر ہزارون خون ہو گئے تھے، اب جھکی، بادشاہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور پورے شرائط کے ساتھ کی، جب جاکر کہین آٹھ مہینہ کے بعد (فوراً جب بھی نہین) اُس کا قصور معاف ہوا، اور تاج شاہی دوبارہ پہننے کی نوبت آئی۔

تھیوڈوسیس نے سولہ برس حکمرانی کرکے انتقال کیا، اور اس واقعۂ توبہ کے بعد پانچ برس تک فرمانروا رہا، مگر یہ ساری مدت بہ لطف وخوبی گذری، اس علانیہ توبہ واستغفار سے نہ رعب سلطنت مین فرق آیا، اور نہ ایک موقع پر بھی انتظامات حکومت مین کوئی خرابی واقع ہوئی، رعایا نے اُنکی وفات پر دل وجان سے ماتم کیا، اور تاریخ کے صفحات مین اُسکا نام تھیوڈوسیس اعظم کی حیثیت سے یادگار ہے،

تاریخ کے اس سرسری مطالعہ سے نظر آگیا ہوگا کہ متمدن، مغربی، ومسیحی تاریخ بھی خوف خدا رعایا پروری واعتراف زلات کے واقعات سے یکسر ناآشنا نہین، باقی مسلمانون نے اپنے ملوک وسلاطین کے لئے جو مطمح نظر رکھا تھا، اُسکا نہایت صحیح مفہوم اُنکی اصطلاح ظل الٰہی یا ظل سبحانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کے قہر وغضب اور لطف وکرم دونون کو

بادشاہ حقیقی ہی کے قہر وجلال، مہر وجمال کا عکس ہونا چاہیئے، مولانا نے اس تخیل کی کسقدر صحیح ترجمانی فرمائی ہے۔

پادشاہان خون کنند از مصلحت	لیک رحمت شان فزون ست از عنت
شاہ را باید کہ باشد خوے رب	رحمت اُو سبق گیرد بر غضب
نے غضب غالب بود مانند دیو	بے ضرورت خون کنند از بہر ریو[1]

---

[1] مثنوی دفتر چہارم، صفحہ ۱۹۶، (نامی پریس کانپور)

مسئلۂ خلافت

اور

شاہانِ اسلام

از مولوی محمد سعید صاحب انصاری رفیق دار المصنفین

خلافت اور امامت اسلامی لغت کے متداول الفاظ ہین، جنکا تعلق سیاست سے ہے، لیکن سیاست دو قسم کی ہوتی ہے، سیاست عقلی اور سیاست دینی، سیاست عقلی کے یہ معنی ہین کہ دنیا کے امن وامان اور اُسکی صلاح وفلاح کے لئے چند عقلاء قوانین وضع کرین جو رعایا کے لئے واجب العمل ہون، اور بادشاہِ وقت اپنے سطوت وجبروت سے کام لیکر اُنکو نافذ کردے، سیاست دینی کا یہ منشا ہے کہ وہ احکام من جانب اللہ ہون، اور ایک پیغمبر کی زبان سے دنیا کے سامنے ادا کئے جائین۔

ظاہر ہے کہ ان دونون سیاستون مین بڑا فرق ہے، تسلط وتغلب، قہر واستیلا، غیظ وغضب جور وظلم، اور وہ تمام سفاکانہ بیرحمیان جو حکمتِ سیاسی کی شریعت سے جواز کا فتویٰ حاصل کرچکی ہین سیاست دینی کے صحیفہ مین محرمات کی فہرست مین داخل ہین، کیونکہ جو آنکھین نورالٰہی سے منور ہوجاتی ہین وہ ایک لمحہ کے لئے بھی آتشِ فسق وفجور کی روشنی کو قبول نہین کرسکتین، وہ دنیا کو صرف نورالٰہی کی نگاہ سے دیکھتی ہین،

خلافت کی تعریف اور اسکی اہمیت

وجوہ بالا کی بنا پر سلطنت تین قسمون پر منقسم ہوسکتی ہے، (۱) سلطنت فطری جسمین لوگون کو خواہشات اور اغراض کے مطابق چلایا جائے، (۲) سلطنت سیاسی

جو دنیا کی مصلحت اور مضرت پر عقلی طور پر غور کرکے حکومت کرے، (۳) سلطنت دینی جو دنیوی اور اخروی مصالح پر شرعی حیثیت سے غور کرے اور دنیوی مصالح کو شرعی مصالح کا پرتو قرار دے خلافت اسی کا نام ہے، جو حفاظت مذہب اور سیاستِ دنیا کے وسیع دائرون کو ایک نقطہ پر جمع کردیتی ہے۔

چونکہ خلافت اسقدر اہم چیز ہے، اسلئے آغاز اسلام ہی سے اُسکے بقا وقیام کی تدبیرین کی گئین، چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جب انصار نے دعوی خلافت کیا تو حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ آپ کے جنازہ کو چھوڑکر اس مسئلہ کے فیصلہ کے لئے تشریف لیگئے، اور جب تک اسکا تصفیہ نہین ہوا، آنحضرت صلعم کی نعش سپرد خاک نہین کیگئی، اس زمانہ سے لیکر آج تک کہ ساڑھے تیرہ سو برس گذر چکے ہین اسلام کی فضا مین ایک آواز بھی اُسکی مخالفت مین نہین اُٹھی۔

ہم اس سے ناواقف نہین ہین کہ معتزلہ اور خوارج کے بعض علما مسئلہ خلافت کے منکر تھے لیکن چونکہ اُن کا یہ خیال آیات قرانی، احادیثِ صحیحہ اور آثار صحابہ کے مخالف تھا، نیز ایک غلط فہمی پر مبنی تھا، اسلئے ہم نے اُسکو عمداً نظر انداز کردیا ہے، اُنکے استدلال کا سارا زور اس آیت پر تھا، ان الحکم الا للہ لیکن جب اُنکو جناب امیر علیہ السلام کے مقابلہ مین میدان جنگ مین آنا پڑا تو ایک امیر کی ضرورت پیش آئی، اسی بنا پر جناب امیر نے فرمایا کلمۃ حق ارید بھا باطل

عہد نبوت، خلافتِ راشدہ اور خلافت بنو اُمیہ تک تمام عالم اسلامی ایک خلیفہ کے ماتحت رہتا تھا، جو اسپین اور بحر اٹلانٹس سے لیکر چین اور ترکستان تک حکومت کرتا تھا، لیکن ۱۳۹ھ مین وہ وقت آیا جب خلافت اسلامیہ دو حصون مین منقسم ہوگئی، مراکو اور ٹیونس سے لیکر چین تک تمام ممالک خلفاے بنو عباس کے زیر نگین ہوئے، اور اسپین مین علحدہ ایک آزاد اور خودمختار سلطنت قائم ہوئی، یہی وہ زمانہ ہے جب اسلام مین تفریق پیدا ہوئی اور خلفاء کے

علاوہ دنیاے اسلام پر دیگر حکمران بھی حکومت کرنے لگے، خلافت عباسیہ کے ضعف نے بہت سے سرون مین خود مختاری کا سودا پیدا کر دیا تھا، اسلئے طاہریہ، سامانیہ، صفاریہ، دیالمہ، سلجوقیہ، خوارزم شاہیہ، فاطمیہ کے نام سے مختلف خاندان اُٹھے، اور بڑی بڑی باجبروت حکومتین قائم کین،

لیکن اس آزادی، خودسری اور مطلق العنانی کے باوجود یہ تمام سلاطین خلفاء کی انتہائی عزت کرتے تھے، وہ اپنے کو خلفاء کا ماتحت اور نائب بلکہ نوکر اور خادم سمجھتے تھے نہ صرف سنی بلکہ شیعہ بھی جنکے ہان خلافت کا لفظ بالکل بے معنی لفظ ہے، اسی طریقہ پر کاربند تھے، دیالمہ کا خاندان جو آل بویہ کے نام سے مشہور ہے گو مذہبًا شیعہ تھا، تاہم خلفاے عباسیہ کو خلیفہ تسلیم کرتا تھا، اور اُسکے سلاطین کے سکون پر خلفاء کے نام کندہ ہوتے تھے، خاندان بنو فاطمہ گو متعصب شیعہ تھا تاہم اُسکے سلاطین خلافت کے مدعی تھے،

تحفظ خلافت

تاریخ اسلام مین ایسے متعدد واقعات پیش آئے ہین جنمین خلافت کی بنیاد دفعتہً متزلزل ہوگئی ہے، لیکن ان مواقع پر ہمیشہ سلاطین اسلام نے خلفا کی امداد کی ہے، صالح بن وصیف نے جب خلیفہ معتز کو قتل کرایا تو موسی بن بغا، رے سے اُسکے قتل کے لئے سامرہ پہنچا، ٢٥٥ھ مین ترکون کا فتنہ اُٹھا تو مغاربہ، فراغنہ، اور اسروسینہ کے قبائل نے خلیفہ مہتدی کا ساتھ دیا، اور عوام نے مساجد مین اس مضمون کے اشتہارات تقسیم کئے کہ "مسلمانو! اپنے خلیفہ کے لئے جو نہایت عادل، پسندیدہ، اور عمر بن عبدالعزیز کا مقابل ہے، خداوند تعالی سے فتح کی دعا کرو"۔[1] معتمد کے زمانہ مین جو ٢٥٦ھ مین سریر آراے خلافت ہوا، جب موفق نے سر اُٹھایا تو اُس نے ابن طولون والی مصر سے امداد طلب کی، اور وہ تعمیل پر آمادہ ہوا، لیکن معتضد اپنی غلطی سے موفق کے پنجہ مین

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۳۶۲،

گرفتار ہوگیا تھا، جس نے اُسکو معزول کر کے خود تخت خلافت پر قبضہ کر لیا تھا، ابن طولون کو یہ اطلاع ہوئی تو اُس نے مصر کے تمام عمائد اور قضاۃ کو جمع کر کے یہ تحریک پیش کی کہ چونکہ موفق نے امیرالمومنین کے مقابلہ مین خروج کیا ہے، اسلئے اُسکو ولیعہدی سے معزول کر دیا جائے، چنانچہ قاضی بکار بن قتیبہ کے سوا سب نے اُسکو معزول کیا،

معتضد کے زمانہ خلافت مین رافع بن ہرثمہ نے علم بغاوت بلند کر کے اپنا خطبہ پڑھا، تو عمرو بن لیث صفار والی خراسان نے اُسکا سر کاٹ کر بغداد بھجوا دیا، اور اُسکی فوج کو جنگ کر کے شکست دی، ٤٦٣ھ مین قیصر روم نے ٣٠ لاکھ کی جمعیت سے ممالک اسلامیہ پر حملہ کیا، اور اُسکے ساتھ عیسائی بادشاہ بھی شریک تھے، اسکا ارادہ تھا کہ بغداد کو برباد کر کے مساجد کی توہین کرے، سلطان الپ ارسلان سلجوقی کو معلوم ہوا تو اُس نے بڑے استقلال سے مقابلہ کیا، قیصر کو شکست ہوئی اور وہ گرفتار کر کے سلطان کے سامنے حاضر کیا گیا۔

مصر کے عباسی خلفاء مین خلیفہ مستنصر احمد بغداد کو ترکون سے واپس لینے کے لئے نکلا تو موصل، سنجار، اور الجزیرہ کے سلاطین اُسکے ہمرکاب تھے، یہ ٦٥٦ھ کا واقعہ ہے،

آج امیر امان اللہ خان والی افغانستان، حاجی عباس پاشا، سابق خدیو مصر یا دیگر امراء نے ترکون کی جو اعانت کی ہے وہ اسی تحفظ خلافت کی بنیاد پر ہے۔

فرائض خلافت اور انکی انجام دہی مین امداد

شاہان اسلام کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ اُنھون نے آزاد اور طاقتور ہونے کے باوجود فرائض خلافت کی انجام دہی مین کبھی دست اندازی نہین کی بلکہ ہمیشہ اپنے کو خلیفہ کا ماتحت رکھا،

خلافت شرعی سیاسی حیثیت سے جناب رسالت پناہ صلعم کی نیابت ہے اس بنا پر جو شخص دنیاے اسلام کا خلیفہ ہوتا ہے وہ اُن تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنکو جناب رسالت پناہ

ادا فرمایا کرتے تھے، نماز، فتوی، قضاء، جہاد، احتساب، امامت کبری کے ماتحت ہین جسکا دوسرا نام خلافت ہے، اور رسول اللہ صلعم اور آپ کے بعد تمام خلفاء ان فرائض کو با لواسطہ یا بلا واسطہ انجام دیا کرتے تھے،

آغاز خلافت مین خلفاء خود امامت کرتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت کے واقعات مسجد ہی مین پیش آئے، بعد مین ترفع یا مخالفین کی کثرت کے خیال سے خلفا نے اس سنت کو بدل دیا، اور اپنے نائب مقرر کردیئے۔

فتوی کا کام خلفا کے ساتھ علما بھی کرتے تھے، چنانچہ عہد نبوی اور زمانۂ خلافت مین جو لوگ اس منصب پر مامور رہے ہین اُنکے مفصل حالات اسماء الرجال کی کتابون مین مذکور ہین، ان لوگون کے علاوہ کوئی دوسرا شخص فتوی دینے کا مجاز نہین ہوتا تھا۔

قضاء اور عدالت کے فرائض ابتداءً خود جناب رسالت پناہ صلعم اور حضرت ابو بکرؓ ادا کیا کرتے تھے، لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو اُنھون نے قضاء کا ایک مستقل محکمہ قائم کردیا، چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ کو مدینہ منورہ کا قاضی مقرر فرمایا، اور شریح کو بصرہ اور ابوموسیٰ اشعری کو کوفہ کی عدالت سپرد کی،

جہاد مین اگرچہ کبھی کبھی خلیفہ خود بھی شرکت کرتا تھا، لیکن عام طور پر اُسکے نائب اس فرض کو انجام دیتے تھے، البتہ نائبون کا انتخاب، ہدایات کی روانگی، فوجون کو اُبھارنا، ملک مین جوش پیدا کرنا، یہ کام خلفا کا تھا اور وہ برابر مستعدی سے اس فرض کو ادا کرتے تھے۔

احتساب یعنی اچھی چیزون کی اشاعت اور بُری چیزون کی ممانعت بھی خلفاء کے فرائض مین داخل ہے، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تحت مین آجاتی ہے، اُسکا خلافت راشدہ مین ایک مستقل محکمہ قائم تھا، جسمین بڑے بڑے عہدہ دار مقرر تھے، لیکن جب خلافت

مین امامت اور سلطنت کے دو علیحدہ علیحدہ شعبے ہوگئے، اور یہ کام لوازم سلطنت مین داخل سمجھا گیا، تو خلیفہ نے اُسکو ادا کرنا چھوڑ دیا،

ان فرائض کے علاوہ خلافت کی چند علامتین بھی ہین جنکے تحفظ کو شاہان اسلام نے ضروری خیال کیا ہے، اور وہ یہ ہین،

بیعت

خلافت کی ایک علامت بیعت ہے، اور شاہان اسلام نے ہر زمانہ مین اس علامت کو قائم رکھا ہے، بیعت کے معنی اطاعت پر عہد کرنے کے ہین، گویا بیعت کرنیوالا خلیفہ سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ اُسکے اور عام مسلمانون کے متعلق جو احکام خلیفہ کی طرف سے جاری ہونگے وہ اُن پر بلاچون وچرا عمل کریگا، اُسکا آغاز بھی جناب رسالت پناہ صلعم کے عہد مبارک سے ہوا ہے، چنانچہ آپ نے انصار سے عقبہ کے پاس، اور عام صحابہ سے مکہ کے قریب ایک درخت کے پاس (بیعت الرضوان) اسی قسم کی بیعت لی تھی، اسمین آپ مصافحہ فرماتے تھے، لیکن بعد مین جب عجمیت غالب آگئی تو زمین بوسی اور پابوسی وغیرہ کا رواج ہوا، بیعت کی رسم جس شان وشوکت کے ساتھ ادا ہوتی تھی اُسکا ایک منظر یہ ہے کہ جب ۳۶۹ھ مین عضد الدولہ نے جو دیالمہ کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، خطاب کی خواہش ظاہر کی تو خلیفہ طائع نے دربار منعقد کیا، خود تخت پر بیٹھا، سو زرین کمر غلام تیغ بکف کھڑے کئے، سامنے مصحف عثمانی رکھا، کاندھے پر چادر ڈالی، ہاتھ مین چھڑی لی، اور آنحضرت کی تلوار حمائل کی، اور ایک پردہ آویزان کیا، پردہ کے باہر تمام رؤسا اور معززین کھڑے ہوئے، اور اُن کے بعد فوجین غیر مسلح کرکے قائم کی گئین، عضد الدولہ کو باریابی کا حکم ہوا تو پردہ اُٹھا دیا گیا، عضد الدولہ، سفیر مصر کے ہمراہ تخت کی طرف بڑھا تو سفیر خلیفہ کا جاہ وجلال دیکھکر کانپ اُٹھا، اور اس سے پوچھا "یہ کیا ہے؟ کیا یہ خدا ہے؟" عضد الدولہ نے جواب دیا "یہ خدا کا خلیفہ ہے" اُسکے بعد آگے بڑھا تو سات بار زمین بوسی، طائع نے خادم کو حکم دیا کہ

عضدالدولہ کو زیادہ قریب کرے، عضدالدولہ اوپر چڑہا تو دوبار زمین چومی، طائع نے دوبارہ قریب آنیکا حکم دیا تو اُسنے بڑھکر پاؤن چومے، پھر کرسی پر بیٹھنے کا حکم ہوا تو کئی بار معذرت کی لیکن جب خلیفہ نے قسم دلائی تو کرسی کو بوسہ دیکر بیٹھ گیا،[1]

یہ بیعت اسقدر ضروری تھی کہ بڑے بڑے جبارون کی گردنین بھی اس سے آزاد نہین رہ سکتی تھین، ملک شاہ سلجوقی جسکی سلطنت تمام وسطی، اور مغربی ایشیا تک پھیلی ہوئی تھی اور جو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، بغداد مین حاضر ہوکر اُس نے خلیفہ مقتدی سے بیعت کی تھی، اُسکے مرنے کے بعد کیارق نے خلیفہ مستظہر کے ہاتھ پر بیعت کی، اسی خلیفہ کے ہاتھ پر یوسف بن تاشقین نے جو افریقہ مین مرالطبین کی سلطنت کا بانی ہوا ہے، بیعت کی تھی[2]۔

خطبہ | خلافت کی دوسری علامت خطبہ ہے اور شاہان اسلام نے ہمیشہ خطبہ مین خلفاء کا نام باقی رکھا ہے، آغاز اسلام مین خلفاء خود امامت کیا کرتے تھے، اسلئے وہ خطبہ مین جناب سالتمآب پر درود پڑہتے، اور صحابہ کرام کا تذکرہ کرتے تھے، حضرت ابن عباس پہلے شخص ہین جنھون نے حضرت علی علیہ السلام کے لئے جامع مسجد بصرہ مین ممبر پر دعا کی، اس زمانہ مین وہ بصرہ کے گورنر تھے، اُن کے بعد یہ طریقہ عام طور پر پسند کیا گیا، اور تمام خطباء نے اپنے خطبون مین خلفاء کے نام داخل کرلئے، چنانچہ خلافت بنو اُمیہ اور خلافت بنو عباس تک اس امر پر برابر عمل ہوتا رہا، خلافت بنو عباس کی کمزوری کے زمانہ مین اگرچہ دیگر مقتدر سلاطین کے نام بھی خطبون مین داخل ہوگئے تھے، تاہم خلیفہ کی حیثیت سے صرف خلفاء کا نام لیا جاتا تھا، اور یہ بھی جو کچھ ہوتا تھا خلفا کی مرضی سے ہوتا تھا، اور خلفاء خود ہی سلاطین کا نام خطبہ مین داخل کراتے تھے،

خطبہ مین خلیفہ کا نام لینا اسقدر ضروری تھا کہ نہ صرف خلافت کے ممالک محروسہ بلکہ غیر ممالک کے مسلمان بھی خلیفہ کا نام لینا فرض سمجھتے تھے، چنانچہ معتصم کے انتقال کے بعد اگرچہ

[1] تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۱۰ [2] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۲۵۲،

سندھ کا علاقہ خلافت عباسیہ کے حدود سے باہر ہوگیا تھا، تاہم وہان کے مسلمان خلیفہ ہی کا خطبہ پڑہتے تھے[1]، اور چوتھی صدی مین بھی وہان خلیفہ کا خطبہ پڑہا جاتا تھا[2]، خلیفہ ناصر جسکی خلافت نہایت محدود تھی، تاہم اُسکے نام مین یہ جہانگیری تھی کہ اُسکا خطبہ، افریقہ، اسپین اور چین تک مین پڑہا جاتا تھا، اور یہ اُسکی ایسی خصوصیت تھی جو اور خلفاء کو حاصل نہین ہوئی، بغداد کے بعد جب مصر خلافت کا مرکز قرار پایا تو وہان مستنصر باللہ احمد کا خطبہ پڑہا گیا، اور مستکفی باللہ نے ۷۰۱ھ مین یہ مقبولیت حاصل کی کہ اُسکا خطبہ شام اور مصر مین پڑہا جاتا تھا

شاہان اسلام کو خطبہ مین خلفاء کے نام باقی رکھنے کا خیال اس درجہ رہتا کہ جب ۴۶۲ھ مین مستنصری کا خطبہ مکہ معظمہ مین بند کیا گیا، اور اُسکے بجائے خلیفہ بغداد کا خطبہ پڑہا گیا، اور شریف نے سلطان الپ ارسلان کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو سلطان نے شریف کے پاس ۳۰ ہزار دینار (ایک لاکھ ۵۰ ہزار روپیہ) اور متعدد خلعت روانہ کئے[3]،

۵۶۷ھ مین سلطان نورالدین والئی شام کے جنرل صلاح الدین نے مصر مین خلیفہ عباسی کا خطبہ جاری کیا تو سلطان نے دربار خلافت کو اطلاع دی اور ایک تحریر بھیجی جو تمام ممالک اسلامیہ مین پڑہی گئی، اُسکا ایک فقرہ یہ تھا "اس ملک مین اب کوئی ممبر ایسا باقی نہین جسپر مولانا امام مستضی بامر اللہ امیر المومنین کا خطبہ نہ پڑہا جاتا ہو"۔ یہ ایسی اہم بات تھی کہ عماد کاتب نے جوش مسرت مین کئی قصیدے لکھے، ایک قصیدہ کے چند اشعار یہ ہین:

قد خطبنا للمستضئ بمصر — نائب المصطفیٰ امام العصر

وخذلنا لنصرہ عضد العا — ضد والقاہر الذی بالقصر

وترکنا المدعی یدعو ثبورا — وہو بالذل تحت حجر وحصر

[1] فتوح البلدان [2] بشاری [3] تاریخ الخلفا صفحہ ۴۲۱

خلفاے عباسیہ کے بعد سلاطین آل عثمان خلیفہ ہوئے اور دنیاے اسلام کے اکثر حصون مین اُن کا خطبہ پڑھا گیا، چنانچہ ممالک محروسہ کے علاوہ سیلون[1]، سماترا، ملایا، جاوا وغیرہ مین بھی اُن کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، یہ بارھوین صدی کے سیاح کا بیان ہے، لیکن آج دنیا کے مختلف خطون مین جہان جہان مسلمان آباد ہین سلطان ہی کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔

سلاطین روم، ہندوستان کی سلطنت مغلیہ کے معاصر ہین، اور چونکہ ان مین قدیم خاندانی عداوتین چلی آتی ہین، اسلئے ہندوستان مین اُنکو اپنا خطبہ پڑھے جانے کی کیا توقع ہوسکتی تھی، تاہم ڈاکٹر سید محمود صاحب پی ایچ، ڈی بیرسٹرایٹ لا، بانکی پور نے اپنے رسالہ خلافت اور انگلینڈ مین یہ ثابت کیا ہے کہ ہمایون کو سلاطین روم سے بیحد عقیدت تھی اور وہ اُنکو خلیفہ اور امیر المومنین تسلیم کرتا تھا، آخری زمانہ مین سلطان ٹیپو کو جو دکن کا مشہور بادشاہ گذرا ہے، سلطان المعظم سے جو عقیدت تھی وہ اس خط وکتابت سے ظاہر ہوتی ہے جو کارنامۂ حیدری کے آخر مین موجود ہے، لیکن چونکہ اُس سے خطبہ کے مسئلہ پر کوئی روشنی نہین پڑتی اسلئے ہم اسکا ذکر قلم انداز کرتے ہین،

سکہ خلافت کی تیسری علامت سکہ ہے، اور شاہان اسلام نے ہمیشہ اُسکے تحفظ کا خیال رکھا ہے، اور اپنے سکون پر خلفا کے نام کندہ کرائے ہین، یہ کام اسقدر ضروری تھا کہ جب ۲۶۹ھ مین احمد بن عبداللہ حجابی نے خراسان، کرمان، اور سیستان پر قبضہ کیا تو باوجودیکہ وہ باغی تھا، اُس نے اپنے سکہ کے ایک رخ پر خلیفہ معتمد کا نام کندہ کرایا[2]، مستنصر باللہ جو خلافت عباسیہ کا چھتیسوان تاجدار تھا، اور ۶۲۳ھ مین تخت نشین ہوا تھا، اُسکا نام ہندوستان کے سکون پر کندہ ملتا ہے، چنانچہ التمش، رضیہ، ناصر الدین محمود، غیاث الدین بلبن، معز الدین

[1] سبحۃ المرجان آزاد بلگرامی و تحفۃ العالم و خطبہ صدارت مولانا ابوالکلام [2] تاریخ الخلفا صفحہ ۳۷۴

کیقباد، جلال الدین فیروزشاہ، اور رکن الدین کیکاؤس نے اپنے سکون پر اسکا نام کندہ کرایا تھا، سلاطین دہلی کے علاوہ سلاطین گجرات، مالوہ، مشرق، اور بنگالہ بھی اپنے سکون پر انہی خلفا کے نام کندہ کراتے تھے، چنانچہ مسٹر اڈورڈ طامس نے جو انگلستان کے مشہور مستشرق تھے، اپنی کتاب مین ان تمام سکون کو جمع کردیا ہے[1]،

مستعصم باللہ، بغداد کا آخری خلیفہ تھا، اُسکے بعد خلافت مصر مین منتقل ہوئی، چنانچہ ۵۶۴ھ مین جب سلطنت بنو فاطمیہ کا خاتمہ ہوا تو مصر مین خلیفہ مستضئ کا نام سکہ پر کندہ کیا گیا ۶۵۶ھ مین مصر کا بادشاہ ظاہر بیبرس تھا اس نے مستنصر باللہ احمد کا نام سکہ پر کندہ کرایا جو اسکے زمانہ مین خلیفہ تھا، ۷۴۲ھ مین محمد تغلق نے جو ہندوستان کا مشہور فرمانروا تھا، مصری خلیفہ کے نام کا سکہ جاری کیا، چنانچہ ضیاء برنی نے اسکی تصریح کی ہے، ۸۰۸ھ مین مستعین باللہ خلیفہ تھا اور مصر مین اُسی کے نام کا سکہ چلتا تھا،

القاب خلافت کی چوتھی علامت القاب ہین، اور سلاطین اسلام نے ہمیشہ خلفا سے خطابات کی خواہش ظاہر کی ہے، چنانچہ سلاطین آل بویہ مین علی، حسن، اور احمد کو خلیفہ مقتدر نے عماد الدولہ، رکن الدولہ، اور معز الدولہ کے القاب عطا کئے تھے، قادر باللہ نے جو سلطان محمود غزنوی کا معاصر تھا، سلطان کو یمین الدولہ، اور کہف الدولۃ والاسلام کا خطاب دیا تھا، سلطان کا لقب ابتک کسی بادشاہ کو نہین دیا گیا تھا، محمود نے اُسکو بھی خلیفہ کی اجازت سے اختیار کیا، محمود کے بعد مسعود کو جلال الدولہ جمال الملۃ کا خطاب عنایت ہوا، مقتدی باللہ کے زمانہ مین ملک شاہ سلجوقی جو دنیاے اسلام کا سب سے بڑا فرمانروا تھا، خلیفہ نے اُسکو جلال الدین کا لقب عطا فرمایا، ۵۴۹ھ مین جب خلافت بالکل کمزور ہوگئی تھی، مقتفی نے سلطان نور الدین محمود زنگی والی

[1] حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے ان سکون پر ایک مستقل مضمون لکھا ہے اور وہ معارف مین شائع ہوچکا ہے۔

شام کو الملک العادل کا خطاب دیا، ۵۷۵ھ مین کہ ناصر الدین اللہ کا زمانہ تھا، سلطان شمس الدین التمش فرمانروائے ہند کو ناصر امیر المومنین کا لقب دیا گیا۔

یہ خطاب خلفا، سے عقیدت ظاہر کرتے تھے، اس بنا پر جن بادشاہون کو یہ شرف حاصل نہین ہوتا تھا، وہ بطور خود اس قسم کے القاب اختیار کر لیتے تھے، جن سے اُنکا خلافت سے تعلق معلوم ہوتا تھا، شہاب الدین غوری اور دیگر شاہان ہند کے القاب اسی قسم کے ہین۔

خلفا، صرف خطابات ہی تقسیم نہین کرتے تھے، بلکہ وہ باضابطہ بادشاہون کو ملکون کا حاکم بناتے تھے، اور اُن کے فرمان کے بغیر اُنکی حکومت قبول نہین کیجاتی تھی، چنانچہ سلاطین طاہریہ خلفا، کے حکم سے مقرر ہوتے تھے، صفاریہ کے دوسرے بادشاہ عمرو بن لیث نے جب اپنی اطاعت کا اظہار کیا تو اسکو خلیفہ کی طرف سے عراق، عجم، فارس اور خراسان کی حکومت عطا ہوئی، لیکن جب اس نے انحراف کیا تو اسماعیل سامانی کو ان ممالک کا حکمران بنایا گیا، اور اسکے قلمرو مین سیستان، ماژندران، رے اور اصفہان کا بھی اضافہ کیا گیا، سلطان محمود نے اگرچہ خراسان، ہندوستان، نیمروز، اور خوارزم اپنے زور بازو سے فتح کئے تھے، تاہم جبتک خلیفہ قادر باللہ نے فرمان جاری نہین کیا وہ ان ممالک کا جائز بادشاہ تسلیم نہین کیا گیا، ملک شاہ سلجوقی کو مقتدی نے تمام ممالک اسلامیہ کی زمام حکومت سپرد کی، سلطان نور الدین محمود زنگی اور سلطان سنجر کو مقتفی نے شام اور خراسان کا بادشاہ بنایا، علامۂ جلال الدین سیوطی لکھتے ہین،

ومن سلاطین دولۃ السلطان سنجر۔۔۔۔	یعنی اسکے خاص بنائے ہوے بادشاہ سنجر اور
والسلطان نور الدین (تاریخ الخلفا صفحہ ۴۵۱)	نور الدین تھے۔

مستضئ کے زمانہ مین جب سلطنت بنو فاطمیہ کا خاتمہ ہو گیا، تو تمام دنیا کے بادشاہون نے

اسکی اطاعت کی[1]، اور یہ اطاعت و عقیدت اس درجہ تک پہنچی کہ سلاطین مصر و شام کی پرائیوٹ صحبتون مین جب کبھی خلیفہ ناصر کا نام آجاتا تھا، تو ہیبت و عظمت کی وجہ سے اُنکی آوازین پست ہو جاتی تھین[2]،

یہ تو تقلید اور خلعت کی صورت تھی اور شاہان اسلام عموماً اسی حیثیت سے خلیفہ کی طرف سے حکومت کرنے کے مجاز ہوتے تھے، لیکن دوسری صورت اس سے جداگانہ تھی اور اسکو استخلاف کہتے تھے، اسکے یہ معنی ہین کہ خلیفہ تمام سلطنت پر اپنا ایک نائب مقرر کرتا تھا جو وزیر اعظم سے زیادہ با اختیار رہتا تھا، چنانچہ اس طریقہ کا آغاز واثق کے عہد خلافت سے ہوا، اُس نے ۲۲۸ھ مین اشناس ترکی کو تمام ممالک کا سلطان بنایا، اور جب اُس نے ۲۵۲ھ مین وفات پائی تو خلیفہ معتز نے محمد بن عبد اللہ بن طاہر کو یہ منصب عطا کیا لیکن پھر اسکو معزول کر کے اپنے بھائی ابو احمد کو یہ منصب دیا، ابو احمد کے بعد لغا، شرابی سلطان مقرر ہوا۔

---

[1] تاریخ الخلفا صفحہ ۴۵۶ [2] ایضاً صفحہ ۴۶۱،

مترجمات

ملکی زبانون مین اُردو کا درجہ

یہ مضمون مولوی عبدالماجد صاحب بی، اے کے قلم کا ہدیہ ہے جو انھون نے سر آشوتوش مکرجی کی اُس جبلی کے موقع پر پیش کیا تھا جو انکی خدمات کلکتہ یونیورسٹی کے اعتراف مین اسی سال منائی جا چکی ہے۔

انگریزی مین اسکو سب سے پہلے (مارچ نمبر مین) ماڈرن ریویو نے نقل کیا جسکے علاوہ اور بھی متعدد رسالون مین ذکر آچکا ہے، لیکن خود اردو کو ابھی برائے نام ہی اسکا قلم ہے کہ اسکے وکیل نے کیسی پرزور وکالت کی ہے، اس فرض کو معارف کی وساطت سے ہمارے اعظم گڈہ کے ایک ہونہار طالب العلم محمد سعید صاحب انصاری ادا کر رہے ہین، جسکے لئے ہم ان کے شکر گذار ہین۔

زبان

زبان کی بہترین تعریف اگر کیجائے تو یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک آلہ ہے جس سے ایک شخص اپنی معلومات دوسرے تک منتقل کر سکے، یہ ایک نظام علائم ہے جس سے انسان کے خیالات دوسرون پر ظاہر ہو سکتے ہین، تعلیم مین اسکا کام یہ ہے کہ خیالات و جذبات کو آسانی اور صحت و صفائی کے ساتھ لفظی جامہ پہنا سکے، اور جسقدر کوئی زبان ان شرائط کو پورا کر سکتی ہے اُسیقدر وہ درجۂ کمال سے قریب تر ہوتی جاتی ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ ایک مکمل زبان کے لئے کیا کیا چیزین ضروری ہین؟ ذرا غور کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ اس زبان کے الفاظ مین صوری حیثیت سے حسب ذیل باتین ہونی چاہئین:-

(۱) اُن کا تلفظ آسان ہو۔

(۲) اُن کے مشتقات آسانی سے بن سکین۔

(۳) وہ دوسرے الفاظ کے ساتھ آسانی سے ملائے جا سکین۔

معنوی حیثیت سے جیسا کہ مل نے کہا ہے، اس نظام علائم مین دو باتین ضروری ہین:-

۱- ہر اسم نکرہ کے اپنی جگہ پر مستقل و متعین معنی ہونے چاہئین۔

۲- حسب ضرورت ہر مفہوم کے لئے ایک نام مخصوص ہو یعنی ہر خیال، ہر جذبہ، ہر حالت، غرض ہر چھوٹی سے چھوٹی کیفیت کے لئے جسے دماغ محسوس کر سکے، ایک نام ہو۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا شرطین صرف ترقی یافتہ ہی زبان سے پوری ہو سکتی ہین، اور زبان کی ترقی اُس قوم کی جو اُسے بولتی ہے، دماغی ترقی کے متناسب ہوتی ہے، اُن قومون کی زبان جو تمدن کے اعلی مدارج پر ہین، لازماً اُن قومون کی زبانون سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے جو تمدن کے اُس زینہ پر نہین ہین، موخر الذکر قومون کی زبانین قدرتاً ناقص اور کم مایہ ہوتی ہین اُنکا سرمایۂ الفاظ اسقدر وسیع نہین ہوتا کہ متمدن قومین اپنے اعلی خیالات و جذبات کا اظہار اسکے ذریعہ کر سکین، غور کرو کہ دنیا کی غیر مہذب اور نیم متمدن قومون کی زبانون کی کم مائیگی کا کیا حال ہے؟

اب دیکھو کہ اردو زبان مین ان امور کی کیا حیثیت ہے؟ ہندی کی اصل کا تاریخ مین کوئی قطعی پتہ نہین، تاہم ماہرین زبان کے اجماع عام کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہندی در اصل شمالی ہند کی متعدد ابتدائی زبانون کا ایک مجموعی نام تھا تاکہ وہ مشرقی و مغربی پراکرت زبانون سے متمائز رہ سکے، یہ ایک قابل لحاظ امر ہے کہ وہ زبان جسے ہم آج ہندی کہتے ہین، وہ سنسکرت کی

ایک شاخ نہین بلکہ ہندوستان کے قدیم و اصلی باشندون کی زبان ہے، حقیقت مین وہ سنسکرت سے بہت پہلے موجود تھی، اسکے ساتھ ساتھ رہی اور اسکے بعد تک باقی رہی، مسٹر بیمز آنجہانی جنھون نے ہندوستانی زبانون کا خاص طور پر مطالعہ کیا ہے، کہتے ہین :-

"سنسکرت عام لوگون کے لئے نہ تھی، ہر جگہ مقامی زبانین بولی جاتی تھین، جو سنسکرت سے قبل تھین، اسکے ساتھ قائم رہین اور بعد تک باقی رہین"

مشہور فرہنگ نویس ڈاکٹر فیلن نے اپنی لغت کے دیباچہ مین لکھا ہے :-

"یہ بالکل ممکن ہے کہ آجکل دیہقانی ہندی زبان کم و بیش تغیر و تبدل کے ساتھ موجودہ ناخواندہ باشندون کے ناخواندہ اسلاف کی دیہقانی ہندی ہو"

لسانیاتی تجربات بتاتے ہین کہ رفتہ رفتہ اس پراکرات یا ہندی نے جو ملک کے باشندون کی سب سے قدیم زبان تھی، دو صورتین اختیار کر لی، ایک صورت ہندوستان مین متعدد آئی ہوئی زبانون کے باہمی اختلاط سے پیدا ہوئی، انگریزون کے آنے سے قبل ہندوستان مین بہت سی قومین آئین، مثلاً آرین، یونانی، سیتھین، عرب، مغل، اور افغان یہ سب اپنے ساتھ اپنی اپنی زبانین لائین، لیکن ان مین سے کوئی زبان بھی اتنی قوت نہ رکھتی تھی کہ ملک کی مروجہ زبان کو مٹا سکتی، قدرتی طور پر نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی اختلاط شروع ہوگیا، ہر ایک دوسرے سے اثر پذیر ہونے لگی ایک زبان دوسرے مین جذب ہونا شروع ہوئی، اس قدیم پراکرت کی ایک صورت سنسکرت، ژند، یونانی، سیتھین، عربی، ترکی اور فارسی زبانون کے خارجی اثرات کو جذب کرنے لگی، ان مین سے ہر زبان کے حدود اثر اس رقبۂ زمین تک محدود تھے جو اس قوم کے زیر اثر ہوتا تھا، چنانچہ اسلامی اثران مین سب سے زیادہ نمایان اور وسیع تھا، پراکرت کی یہ صورت موجودہ بول چال مین ہندوستانی یا اُردو کے نام سے موسوم ہے۔

پراکرت کی دوسری صورت دیہات مین محدود رہی، اور اسلئے اُسے بیگانہ اثرات سے آلودہ ہونے کے بہت کم مواقع ملے، خارجی اثر کو اس نے بہت کم قبول کیا، اور تھوڑا بہت جو کچھ کیا وہ بھی سنسکرت تک محدود رہا، پراکرت کی یہ خالص صورت موجودہ ہندی کے نام سے پکاری جاتی ہے۔

اصل مین اُردو اور ہندی دو مختلف زبانین نہین ہین بلکہ ایک ہی مان کی دو بیٹیان ہین، اردو اپنی زندگی کے ہر منزل پر مختلف ضروریات و حالات کے لحاظ سے اپنی اصلاح و درستگی کے لئے اور تہذیب و تمدن کے گوناگون ذرائع سے اپنی غذا حاصل کرنے کے لئے بدلتی رہی، برعکس اسکے ہندی ان اثرات سے پاک و بے آمیز رہی، سچ یہ ہے کہ کوئی زبان خارجی اثرات سے بالکل پاک نہین رہ سکتی، تاہم بلا کسی ناانصافی کے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ سنسکرت، یونانی، ایرانی، عربی، ترکی، اور فارسی اثرات کی آمیزش و اختلاط سے جو پراکرت پیدا ہوئی، اسی درخت کی اردو ایک قلم ہے، اور ہندی صرف سنسکرت کی آمیزش کے ساتھ شمالی ہند کی قدیم اور خالص زبانون کی ایک یادگار ہے۔

مختصر یہ کہ حقائق ذیل ناقابل انکار ہین :-

۱- آرین قوم کے آنے سے قبل ہندوستان مین متعدد زبانین مروج تھین جنکا عام نام پراکرت تھا

۲- سرسینی پراکرت کی وہ صورت تھی جو سرسینا (نواح متھرا کا علاقہ) مین بولی جاتی تھی۔

۳- ہندی، اصطلاح ایک فارسی لفظ ہے جسکے دو مختلف معنی ہین، وسیع معنی مین اسمین وہ سب زبانین شامل ہین جو ہندوستان مین بولی جاتی تھین، محدود معنی مین اس سے سرسینی یا پراکرت کی وہ صورت مراد تھی جو شمالی و مشترکہ زبان تھی، اور جس سے غیر ممالک کے باشندے اول اول دوچار ہوئے۔

۴- شمالی ہند کی اس ہندی زبان نے رفتہ رفتہ دو مختلف صورتین اختیار کین، ایک ناقص، جامد اور بے آمیز رہی، دوسری نے نہایت آزادی سے خارجی اثرات کو جذب کیا اور دوسری زبان سے اختلاط قبول کیا۔

۵- اول الذکر صورت کا قدیم نام ہندی ہی قائم رہا، موخر الذکر اردو کے لقب سے موسوم ہوئی۔

نتیجہ اب بالکل صاف ہے، اردو جو مختلف تمدن و تہذیب کا مزہ چکھ رہی ہے اور مختلف آریائی اور سامی زبانون کا عطر ہے، ذریعہ تعلیم کے لئے نہایت موزون ہے اور ملک کی دیگر زبانون کی بہ نسبت علمی خیالات کے اظہار اور تمدن کی ضروریات کے لئے زیادہ بہتر و مناسب ہے۔

اردو زبان کا ذخیرہ بھی کثیر ہے، ایرانی، یونانی، فارسی، ترکی، عربی، اور (زمانہ حال مین) انگریزی زبانون کے مشتقات بے شمار ہین، جو سنسکرت اور قدیم زبان کے الفاظ سے خلط ملط ہو گئے ہین، اس سے جدید مصطلحات کے ڈھالنے مین بڑی آسانیان پیدا ہو گئی ہین، جدید مغربی علوم کا اردو مصنف نہایت آسانی سے عربی و سنسکرت، فارسی و انگریزی کے وسیع ذرایع سے کام لے سکتا ہے، بغیر اسکے کہ اپنی خاص زبان کے حسن و خوبی کے پہلو کو نظر انداز کرے۔

ہندوستانی کی دوسری بڑی خوبی اسکا عالمگیر ہونا ہے، جسکا مقابلہ ہندوستان کی کوئی دوسری زبان نہین کر سکتی، مرہٹی کشمیر مین، گجراتی بہار مین، اور تامل اودھ مین ایسی ہی اجنبی معلوم ہونگی جیسی کہ افریقہ کی ہنٹو زبان، برعکس اسکے ہندوستانی جیسا کہ ہر شخص اسکا تجربہ کر سکتا ہے، ہندوستان کے طول و عرض مین بلکہ بیرون ہند کے اکثر مقامات مثلاً عدن، بندر سعید، مالٹا وغیرہ مین ہر جگہ سمجھی جاتی ہے، ہندوستان کی دیگر زبانین معاف کیا جائے میرا منشا کسی کا استخفاف

نہین ہے، زیادہ سے زیادہ صوبہ وار زبانین ہین، ہندوستانی ہی صرف ایسی زبان ہے جو ہر صوبہ مین بولی اور سمجھی جا سکتی ہے، ہندوستانی زبان کا ایک معقول حصہ ہندوستان کی ہر زبان مین شامل ہے، اور یہی سبب ہے کہ ان صوبون کے باشندے بھی جہان ہندوستانی عام طور پر نہین بولی جاتی، اسکو بالکل ہی اجنبی زبان محسوس نہین کرتے۔

یہان ہندوستانی زبان کے متعلق دو ایک یورپین محققین کے خیالات کا پیش کرنا مناسب موقع ہوگا جن سے مذکورہ بالا نتائج پر مزید روشنی پڑیگی۔

جارج کیمبل، مصنف انڈیا از اٹ مائٹ بی، نے ہندوستان کی مشترک تعلیمی زبان کے بارہ مین ایک طویل مضمون لکھا ہے:۔

ہندوستانی ملک کے اکثر طبقون مین عام طور پر بولی جاتی ہے، اور اس سے زیادہ عام طور پر سمجھی جاتی ہے، مسلمان جنکی کہین زیادہ تعداد ہندوستان مین آئی اور جنھون نے اپنی تحریری زبان کو ایک حد تک فارسی رکھا، بول چال مین عام طور پر ہندوستانی ہی کو استعمال کرتے تھے، البتہ انھون نے اسمین بیرونی الفاظ کی ایک کثیر تعداد داخل کر دی ہے، جیسا کہ ہمکو بھی وقتاً فوقتاً انگریزی الفاظ کی آمیزش کرنی پڑتی ہے اور آئندہ پڑیگی "

ان لوگون کیلئے بھی جو ہندوستانی اچھی طرح نہین سمجھتے، ایک ایسی زبان کا انتخاب کرلینا جسکو ان کے گرد و پیش کے لوگ عموماً بولتے ہون اور جسکا ایک بڑا حصہ ہندوستان کی تمام زبانون مین شامل ہے (یعنی ہندوستانی زبان) کہین زیادہ آسان ہے بہ نسبت اسکے کہ وہ ایک ایسی زبان سیکھین جو بالکل ہی نامانوس اور اجنبی ہو۔

مین یہ تجویز کرتا ہون کہ تمام اعلی مدارس مین ..... ہندوستانی ہی عام زبان ہونی چاہئے اور زبانین بھی جہانتک ضرورت ہو سکھائی جائین ..... بغیر کسی عام مشترک زبان کے ترقی

کرنا محال ہے، اور اگر جیسا کہ میرا خیال ہے، انگریزی کو عام بنانا خارج از بحث ہو تو ہندوستانی ہی جہانتک ممکن ہو، عام و مشترک بنانا بہت بڑا مقصد ہونا چاہیئے، بنگالی زبان کے موافق بھی اُس صوبہ مین جہان کی یہ خاص زبان ہے دلائل پیش کئے جا سکتے ہین، لیکن درحقیقت ہندوستانی تمام طبقون مین اسقدر عام ہے کہ کسی کو اُسکے مقابلہ مین پیش کرنا میرے خیال مین نامناسب ہوگا"

ایک دوسرے موقع پر اسی مصنف نے لکھا ہے:-

ہندوستانی، جیسا کہ مین نے کہا ہے ہندوستان کی مشترکہ زبان ہے، اس حیثیت سے تمام اعلیٰ طبقون مین بلکہ مین یہ کہونگا کہ تمام ادنیٰ طبقون مین بھی (سپاہی، ملازم وغیرہ) تمام مسلمانون اور ہندوستان مین رہنے والے تمام یورپینون مین عام طور پر بولی جاتی ہے اور اسمین قبول الفاظ کی ایک ایسی عجیب خصوصیت ہے کہ مین نے کسی اور زبان مین نہین دیکھا، اگر کسی لفظ کا بہ آسانی معقول ترجمہ ہندوستانی مین نہو سکے، تو اُسکی بجاے کسی طویل فقرے کی ضرورت نہین، فوراً ہی وہ لفظ ہندوستانی مین شامل کرلیا جاتا ہے، خواہ وہ فارسی، عربی، پرتگالی یا انگریزی ہی کیون نہو، اس طریقہ کی سہولت اور سودمندی حیرت انگیز ہے، ہم ہندوستانی کو ہر ضرورت کے لئے استعمال کرسکتے ہین"

میسو گرسین ڈی ٹیسی، مشہور فرانسیسی عالم نے ۹ دسمبر ۱۸۶۹ء کو امپریل اسپشل اسکول آف اورینٹیل لنگویجز" پرس مین ہندوستانی زبان پر ایک لکچر دیا تھا، اُسکے بعض اقتباسات ہم ذیل مین درج کرتے ہین:-

اردو نے ہندوستان مین وہی مرتبہ حاصل کیا ہے جو فرانسیسی زبان نے یورپ مین -

یہ وہ زبان ہے جو بکثرت استعمال مین رہتی ہے، یہ عدالت اور شہر دونون مین استعمال

ہوتی ہے، اہل علم اپنی تصنیفات اور شعراء اپنی غزلین اسی زبان مین لکھتے ہین، یورپین سے گفتگو کا وسیلہ یہی ایک زبان ہے، کہا جاتا ہے کہ ہندو لوگ اردو ہر جگہ نہین سمجھتے مگر یہی صورت تو تمام ملک کی زبانون کے ساتھ ہوتی ہے، برٹین (جو فرانس ہی کا ایک صوبہ ہے) کے کسان خواہ پراونسل ہون یا السائشین، فرانسیسی زبان نہین سمجھتے تو کیا یہ اس بات کی دلیل قرار پاسکتی ہے کہ فرانسیسی صوبہ کی عدالتون اور سرکاری دفاتر مین نہ استعمال کیجاے"

"اردو ہندوستان کے ہر قصبہ و قریہ مین سمجھی جاتی ہے، باوجودیکہ وہان اور بھی زبانین بولی جاتی ہین، شمالی مغربی صوبہ اور اودھ کی تو یہ خاص زبان ہے، یہ صرف ہندوستان کے اندر ہی محدود نہین ہے، بلکہ بلوچستان اور دیگر ممالک مین جو ہند سے ملحق ہین سمجھی جاتی ہین، یہ امر مشہور و معروف سیاحون کے بیان سے پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے"

جے بیمز، مصنف انڈین فلالوجی کا حسب ذیل بیان ہندوستانی زبانون کے عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے -

"مین اسکو (اردو) مختلف گروہون کی بڑی اور وسیع زبان کی نہایت ہی ترقی یافتہ اور متمدن صورت خیال کرتا ہون، صرف یہی نہین کہ یہ ایک فصیح، سلیس، اور وسیع زبان ہے بلکہ اسمین وادی گنگا کی بسنے والی قومون کی زبان کی اعلیٰ ترقی ظاہر ہوسکتی ہے" (رسالہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۳۵ ۱۸۶۶ء صفحہ ۱۰)

ایسے زمانہ مین جبکہ ہندو و مسلم اتحاد اور ہندوستانی قومون کے باہمی میل جول کا غلغلہ مچ رہا ہے، یہ یاد رکھنا بہتر ہوگا کہ اردو اسلامی حکومت کی یادگار نہین بلکہ ہندو و مسلم یکجہتی کی علامت ہے ایک طرف تو عربی و فارسی کے درمیان اور دوسری جانب سنسکرت و پراکرت کے مابین یہ ایک معقول رابطہ ہے، ہر زبان کے خزانہ مین خاص اجزا صرف دو ہوتے ہین، اسماء اور

افعال، بقیہ چیزین ثانوی اور ضمنی ہوتی ہین، اب اگر دیکھا جائے تو اُردو کے تمام اسمار یا تو عربی ہین یا فارسی، اور تمام افعال سنسکرت یا پراکرت اصل سے ہین، آنا، جانا، چلنا، بولنا، مارنا، مرنا، کہانا، پینا، اُٹھنا، اُٹھانا، بیٹھنا، بیٹھانا، یہ ایسے الفاظ ہین جن سے کوئی شخص بھی احتراز نہین کرسکتا، برعکس اسکے غیر زبان کے الفاظ مثلاً جنگل، مال، میدان، مکان، حال، کھانا، تماشہ، سال، دروازہ، سرکار، شکار، چاقو ایسے الفاظ ہین جنکے استعمال سے کسی جاہل دہقانی کے لئے بھی بچنا ویسا ہی محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اتحاد و ایثار نفسی کی رُوح تھی جس نے ہندو اور مسلمان دونون کو ترغیب دی کہ اپنی اپنی زبانین چھوڑ کر ایک ایسی زبان اختیار کرین جو اصل مین ہندوستانی ہو لیکن اسکی نشو و نما خارجی ذرائع پر ہوئی ہو، اور باہمی اتحاد و ہمدردی کی اس رُوح کا عملی نتیجہ تھی، اور آج بھی وہ وفاداری کے ساتھ اس رُوح کو ظاہر کر رہی ہے۔

لٹریچر

غیر اُردو دان طبقہ کا عام خیال ہے کہ اُردو کوئی قابل ذکر لٹریچر نہین رکھتی، اُردو زبان کے بعض بڑے ماہرین مثلاً سر چارلس لائل، اور سر چارلس گریرسن بھی اس خیال سے صاف اور پُرزور طریقہ اختلاف نہین ظاہر کرتے، (دیکھو ان کے مضامین ہندوستانی لٹریچر، اور ہندوستانی زبان پر انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا۔ خصوصاً سر چارلس لائل کا مضمون) یہ یقین گو اسقدر عام ہے، لیکن حقیقت و اصلیت سے کوسون دُور ہے۔

یہ سچ ہے کہ ترقی یافتہ مغربی زبانون کے مقابلہ مین اُردو کوئی وسیع لٹریچر نہین رکھتی لیکن ہندوستان کی ملکی زبانون کے لحاظ سے اُردو کو بے مایہ کہا جائے تو یہ دعوی نہایت آسانی کے ساتھ غلط ثابت کیا جاسکتا ہے، لٹریچر کی وسعت کوئی مستقل بالذات شے نہین ہے بلکہ اضافی شے ہے جسکا اندازہ اور زبانون کی نسبت ہی سے ہوسکتا ہے، اس بنا پر دنیا کی کوئی زبان قطعی

طور پر وسیع و سرمایہ دار نہین کہی جاسکتی۔

سرمایۂ ادب کو دو مین تقسیم کرسکتے ہین، (۱) اصل (۲) نقل، اصل سے مراد مجتہدانہ مضامین ہین، نقل مین وہ ذخیرہ شامل ہے جو دوسرے لٹریچر سے ترجمہ، تالیف و تلخیص کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے، اب اُردو لٹریچر پر ان دونون پہلوؤن سے غور کرو۔

پہلے نقل کو لو، نظم و ڈراما مین دنیا کی بہت سی زبانون نے اُردو مین جگہ پائی ہے، ہومر کی ایلیڈ، مہابھارت، رامائن (مصنفہ والمیکی اور تلسی داس) کالیداس کی شکنتلا، پیمک ابر (میگھ دوت) اور دوسری تصنیفین، ملٹن کی فردوس گم گشتہ (پیریڈائز لاسٹ) اور ٹیگور کی گیتانجلی، چترا، نیز دیگر تصانیف اردو دان اصحاب کے نظر سے بآسانی گذر سکتی ہین شیکسپیر کو غالباً ان مین سب سے زیادہ مقبولیت کا درجہ حاصل ہے، اسکے بہت سے ناٹکون کا ترجمہ ہوچکا ہے جو اسٹیجون پر کھیلے جاتے ہین، اتھیلو، خون ناحق (ہیملٹ) سفید خون (کنگ لیر) دی ٹمپسٹ بزم فانی، (رومیو اور جولیٹ) انگشتری (سمبلائن) دلفروش (دی مرچنٹ آف وینس) مرینڈنگ (ونٹرز ٹیل) تھہید ناز، (ٹیمنگ آف شریو) بھول بھلیان (دی کامیڈی آف ایررز) اور ازیو لائک اٹ، عرصہ سے اُردو مین موجود ہین، شیریڈن کے بعض ناٹک مثلاً اسیر حرص (پزیرو) سوفوکلس اور سیفو، ورجل، دینتی اور گیٹے، لانگ فیلو اور سادوی، شیلے اور بائرن، ورڈسورتھ اور ٹینی سن کی اکثر چیدہ نظمین اُردو مین آگئی ہین۔

ناول یا فسانہ نگاری مین رینالڈ کے بعد جسکی تصنیفون مین ہندوستانی نوجوانون کے لئے جادو بھرا ہے، اسکاٹ میری کیریلی، اور کانن ڈائل مقبول ترین مصنفین مین سے ہین، ان کی بہت سی تصنیفات کے اُردو ترجمے وادی گنگا مین کہین زیادہ دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے ہین، بہ نسبت اسکے کہ اُنکے خاص وطن سواحل ٹیمز پر پڑھی جاتی ہون، بنکم چندر کی تقریباً تمام تصنیفین

اور ٹیگور کے اکثر قصے بھی اُردو مین ترجمہ ہوچکے ہین، آر، ایل اسٹونس، رائڈر ہیگرڈ، اسکرو اُلڈ، برنرڈشا اور ایچ. جی ویلز بھی مقبول ہورہے ہین،

نثر لکھنے والون مین میکالے اور کارلائل، اسمائلز، اور لیوبک اُردو دان طبقہ مین روشناس ہوچکے ہین۔

فلسفہ اور علم النفس مین افلاطون کے متعدد مکالمے، ارسطو کی تصانیف اور چانکیہ کے نصائح کے انتخابات، سینکا کے خیالات (رفلکشنز) برکلے کے مبادی، دمکالمات، لیبان کی رُوح الاجتماع (دی کراوڈ) اور فلسفہ انقلاب الامم (سائیکالوجی آف دی ایوولوشن آف پیپلز) نیز بیکن، ہیوم کینٹ، مل، اسپنسر، جیمس، اور اسٹاوٹ کی تصانیف کے حصے اُردو مین ہین۔

تاریخ و سیر مین پلوٹارک کی مشاہیر یونان و روما (لائیوز آف ایمنینٹ گریکس اینڈ رومنز) تہبکر اور شویل کی تاریخ یورپ (جنرل ہسٹری آف یورپ) ڈُوزی کی اسلامک اسپین، ولیس کی تاریخ روس، (رشیا) ایبٹ کی نپولین اعظم (نپولین) گرین ہسٹری اف دی انگلش پیپل، ونسنٹ اسمتھ ہند قدیم (اینشنٹ انڈیا)، الفنسٹن کی تاریخ ہندوستان (ہسٹری آف انڈیا) میلکم کی تاریخ ایران، (ہسٹری آف پرشیا) کے نام اور گبن کی رومن امپائر کے حصے قابل ذکر ہین جن سے اسی پایہ اور مرتبہ کی اور تصانیف کی تشریح ہوسکتی ہے۔

سیاسیات و اقتصادیات کے میدان مین ذیل کے نام کافی ہونگے:۔

ارسطو کی پالیٹکس، مل کی آزادی (لبرٹی) معلم السیاست، (ریپرزنٹیٹیو گورنمنٹ) اور سیاست مدن (پولیٹکل اکانمی) مل کی قوانین دولت (لاز آف ویلتھ) مارلے کی علم السیاست) میکیاولی) اور رینی سنیز، کرزن کی پرشیا، میزنی کی ڈیوٹیز آف مین، شوسٹر کی فغان ایران (اسٹرینگلنگ آف پرشیا) بلنٹ کی فیوچر آف اسلام، ویبری کی مستقبل اسلام (فیوچر آف اسلام) نیز سیلے

وبلنچلی، ولسن وپولک، سجوک وجیونز، مارشل ومارلین کے بعض حصے۔

علم سیاست (پولیٹکل سائنس) کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ تاریخ کا شعبہ بھی ہے، اور اس شعبہ مین بکل کی تاریخ تمدن، ہسٹری آف سیویلیزیشن، گوئزٹ کی تمدن انگلستان، سیویلیزیشن ان انگلینڈ لی بان کی تمدن عرب (سیویلیزیشن آف دی عرب) تمدن ہند، (سیویلیزیشن آف انڈیا)، لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ (یوروپین مارلز) ڈریپر کی انٹلکچول ڈولپمنٹ آف یورپ اور دت کی تہذیب قدیم ہندوستان (اینشنٹ انڈین سیویلیزیشن کے ترجمے بنائے جاسکتے ہین۔

تعلیم مین ٹاڈ وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی کتابون کے علاوہ اُردو، اسپنسر، بین، فروبل، پسٹالٹزی، ہربرٹ اور مانٹی سوری کی تصانیف سے ناآشنا نہین ہے،

سائنس مین ڈریپر کی معرکہ مذہب وسائنس (کانفلکٹ بٹون ریلیجن اینڈ سائنس) جیسے عام طرز کے کئی مقبول رسالون کے علاوہ اُردو دان طبقہ ڈارون اور ولیس، ہیکل اور ہکسلے، لائل اور گیکی، ٹنڈال اور بوس، کلون اور میکسول، کروکس اور لاج کے انکشافات وتصنیفات سے معقول حد تک آشنا ہے۔

قانون، فقہ، اور طبی کتابون کے تراجم کا ذکر کرنا بیسود ہے، کیونکہ ان مضامین کی بہت سی کتابین بمقتضاے ضرورت اُردو مین منتقل ہوگرا گئی ہین،

یہ واضح رہے کہ فہرست بالا مین جامعیت واستقصار کا خیال بالکل نہین رکھا گیا ہے، جو نام برجستہ یاد آسکے لکھدیئے گئے ہین تاکہ ناظرین کے ذہن مین ایک خاکہ قائم ہوجائے کہ اُردو لٹریچر غیر زبانون کے خزانے سے کسقدر بہرہ یاب ہے،، انکی مکمل فہرست طیار کرنے کے لئے سیکڑون صفحے چاہئین۔

ایک دوسرا امر قابل لحاظ یہ ہے کہ فہرست بالا صرف مغربی لٹریچر تک محدود ہے، اسکے علاوہ

مسلمانون کے لٹریچر کا سارا عربی و فارسی خزانہ اور ہندوؤن کی سنسکرت و ہندی کا خزانہ ایک حد تک اُردو مین آگیا ہے، قرآن شریف، گیتا، پران، مہابھارت، اور رامائن مین سے ہر ایک کے اُردو مین متعدد ترجمے ہین، پیغمبر اسلام، حضرت مسیح، سری کرشن، سری رام چندر، گوتم بودھ، گرو نانک اور کبیر داس کی سوانح و تعلیمات، ہندو سنیاسی، اور جوگیون مثلاً وشیشٹھ، اہل معرفت و صوفی شعرا، مثلاً مولانا رومی اور حافظ، معلم اخلاق و الٰہیات مثلاً سعدی و غزالی، رزمیہ شعرا، مثلاً فردوسی، فلسفی مثلاً ابی سینا، مورخین مثلاً ابن خلدون، ابن خلکان اور فرشتہ کی تصانیف اُردو لٹریچر کے خزانہ مین بعض بہترین جواہرات مین سے ہین۔

مجتہدانہ و طبعزاد تصانیف پر کسی طویل گفتگو کی ضرورت نہین، ان کے لئے کوئی ایسا مادی معیار قائم نہین کیا جا سکتا، جس پر مختلف مصنفین کی خوبیان پرکھی جا سکین، صرف مذاق سلیم ہی اسکا فیصلہ کر سکتا ہے، شعراء کے طبقہ مین میر و درد، غالب و حالی، انیس و دبیر، آتش و داغ اپنے اپنے رنگ مین رُوح شاعری کے بہترین نمونہ ہین، زندہ لوگون مین اکبر الہ آبادی کا نام سب سے زیادہ نمایان حیثیت رکھتا ہے، اُن کے کلام مین دقتِ نظر اور حکیمانہ نکتہ سنجی کے ساتھ ظرافت و شوخی کا امتزاج دنیاے شاعری کا ایک بے مثل معجزہ ہے، اُن کے بعد اقبال کا نمبر آتا ہے جو ایک عرصہ سے بھگوت گیتا کے انداز پر اپنا پُرقوت فلسفۂ عمل، دنیا کے سامنے حیرت انگیز بلند خیالی و اثر کے ساتھ پیش کر رہے ہین، اُنکی بعض فارسی نظمون کا ترجمہ کیمبرج کے فاضل پروفیسر نکولسن نے انگریزی مین کیا ہے، اُن کے بعد حسرت و ریاض، عزیز و جوش ہین جو کسی دوسری زبان کے شعراء سے کمتر نہین رکھے جا سکتے۔

ناول یا فسانہ نگاری مین نذیر احمد، مرزا رسوا، عبدالحلیم شرر، رتن ناتھ سرشار، راشد الخیری، خواجہ حسن نظامی، پریم چند کی کتابین پڑھنے ہی سے تعلق رکھتی ہین، پُرانے قصے کہانی کی کتابون کا

تو کچھ ذکر ہی نہین، ان مین سے بہت سی کتابون کا انگریزی اور ہندی مین ترجمہ ہو گیا ہے۔

سنجیدہ نثر نویسون مین اردو، سر سید احمد، نذیر احمد، محمد حسین آزاد، چراغ علی، حالی، شبلی، کرامت حسین، سید سلیمان، اور ابو الکلام آزاد پر بجا فخر کر سکتی ہے، محمد حسین کی شاعرانہ نثر اور نازک خیالی اعجاز سے کم نہین، نذیر احمد کو اُردو، فارسی و عربی زبان پر ایک حیرت انگیز قدرت حاصل تھی، شبلی ایک بلند پایہ مورخ تھے، لیکن بحیثیت ایک ادیب اور نقاد کے اُنکی عظمت کا پایہ اور بھی بلند تھا، سیرۃ نبوی (چھ جلدون مین) اُن کے علمی فضل و کمال کی بجاے خود ایک ناقابل انکار شہادت ہے۔ شعر العجم (۵ جلدین) جیسی جامع و نافع تصنیف نے مشہور مستشرق پروفیسر براؤن کو اُن کا گرویدہ بنا دیا ہے، پروفیسر موصوف نے اپنی کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا (تاریخ ادبیات ایران) کی تیسری جلد مین اس سے بہت سے اقتباسات نقل کئے ہین، کرامت حسین (جج الہ آباد ہائیکورٹ) لسانیات اور علم المعاشرت کے ممتاز عالم تھے، سید سلیمان، شبلی کی تاریخی و علمی ترکہ کے مورث ہوئے ہین، اور نہایت سرگرمی کے ساتھ اپنے پیشرو کے نقش قدم پر چل رہے ہین، جہانتک مذہب، فقہ اور تصوف کا تعلق ہے، اُردو لٹریچر کا خزانہ قطعاً بے مایہ نہین۔

پچھلے چند سال کے اندر اُردو لٹریچر کی اشاعت و تبلیغ کے لئے تین مرکز قائم ہوئے ہین، ان مین سب سے بڑا دار الترجم عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن (یونیورسٹی ٹرنسلیشن بیورو آف حیدر آباد) ہے، جہان تمام مفید مضامین مثلاً تاریخ، علم المعیشت، منطق، اخلاقیات، نفسیات، مابعد الطبعیات، اقتصادیات، ریاضیات، علم الحیات، طبعیات، علم کیمیا وغیرہ کی انگریزی کتابون کے تالیف و ترجمہ کا کام نہایت تیزی کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسرا مرکز، انجمن ترقی اُردو ہے جسکا صدر دفتر اورنگ آباد (دکن) ہے، اس انجمن نے ابتک کئی درجن کتابین بالخصوص مغربی علوم و فنون مثلاً علم الحیوانات، علم طبقات الارض، علم النفس، علم نباتات، اور علم المعاشرت کے

متعلق شایع کی ہین، ان کے علاوہ ایک تیسرا مرکز مجلس دار المصنفین یا شبلی اکاڈمی ہے جو اپنے بانی کے نام سے موسوم ہے اور جسکا دفتر اعظم گڈھ (صوبہ متحدہ) مین ہے، اسکا تعلق زیادہ تر مشرقی علوم وفنون سے ہے، تاہم اُس نے یورپی فلاسفہ اور علماے نفسیات مثلاً برکلے اور لیبان کے متعلق بھی چند کتابین شایع کی ہین،

غرض ان واقعات ومشاہدات کا مطالعہ تمام غیر متعصب ناظرین کو یہ سمجھا دینے کے لئے کافی ہے کہ اُردو لٹریچر گو غیر معمولی طور پر وسیع اور مکمل نہو تاہم اسقدر مفلس وبے مایہ بھی نہین ہے، جتنا عموماً خیال کیا جاتا ہے، اور ہندوستان کی دیگر زبانون کے مقابل مین تو اپنی ہستی برقرار رکھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے،

رسم الخط

اُردو کے حقوق تسلیم کرنے مین سب سے زیادہ جو شے مانع آتی ہے وہ اسکے رسم خط کے نقائص ہین، کہا جاتا ہے کہ مبتدی کے لئے یہ خط تکلیف دہ، مشکل اور پریشان کن ہے، اُسکے لکھنے اور پڑھنے مین ہمیشہ غلطی کا احتمال ہے، اس قسم کے الزامات غلط فہمی پر مبنی ہین جو نہایت آسانی سے رفع ہو سکتے ہین۔

کسی رسم خط کے محاسن ومعائب دو طریقے سے پرکھے جا سکتے ہین، (۱) بلحاظ خواندگی (۲) بہ لحاظ کتابت۔ ہم ان دو پہلوؤن پر علٰحدہ علٰحدہ غور کرتے ہین۔

ماہرین لسانیات (نلالوجسٹ) گروہ کا اتفاق ہے کہ ہر مکمل نظام تہجی مین (۱) ہر علٰحدہ مفرد آواز کو ادا کرنے کے لئے ایک علٰحدہ ومستقل حرف (کیرکٹر) ہونا چاہیئے، اور مفرد اصوات کے علاوہ اور کسی آواز کو علٰحدہ ومستقل حرف سے نہ ادا ہونا چاہیئے، (۲) جو اصوات مفردہ اصلاً ایک ہون، ان کے طول واختصار، پستی وبلندی ودیگر تغیرات حالت کے ادا کرنے کے لئے مستقل

حروف نہین بلکہ مختلف حرکات یا اعراب ہونے چاہیئے،

ہر ابجد یا نظام تہجی کے تمام حروف ان آوازون کے جو بولنے مین پیدا ہوتی ہین، مرئی نشانات ہوتے ہین، یہ حروف تحریری زبان سے متعلق ہوتے ہین، اور آوازین تقریری زبان سے، حروف ہجائیہ کی خاص غرض یہ ہوتی ہے کہ تقریری زبان کو آنکھون کے سامنے موزون علامات کے ذریعہ سے آئین، اِسلئے حروف ہجائیہ کی خوبیون کا معیار صرف یہ ہے کہ وہ کس صحت واحتیاط کے ساتھ اصوات کی ترجمانی ونمایندگی کرتی ہین، غیر ضروری حروف کی افراط اور مرکب حروف علت یا مرکب ومرکب حروف کا صحیح ہونا کسی ابجد کے حسن وخوبی کی دلیل نہین ہو سکتین، بلکہ اسکے قبح ونقص کے شواہد ہین۔

اس معیار پر پرکھنے کے بعد اُردو نظام تہجی اپنے حریفون سے نہایت آسانی سے بازی لیجاتا ہے، اسمین تمام بڑی چھوٹی مفرد آوازون کو ادا کرنے کے لئے مفرد حروف علت ومفرد حروف صحیحہ کی صورت مین حروف ونشانات موجود ہین، لیکن ساتھ ہی ساتھ اس مرکب حرف علت اور مرکب حروف صحیح کی آوازون کے ظاہر کرنے کے لئے کوئی حرف نہین ہے، ناگری نظام تہجی کی مرکب حرف علت اور مرکب حروف صحیحہ کی آوازون کو ظاہر کرنے کے لئے پیچیدہ اور غیر ضروری حروف ایجاد کرکے اُردو نظام تہجی کو خواہ مخواہ دشوار نہین بنایا گیا ہے، نہ دو قسم کے حروف یعنی ابتدائی وثانوی قرار دیکر اسپر غیر ضروری بار ڈالا گیا ہے۔

اُردو نظام ہجائیہ مین حسب ذیل دس آوازین ہین:-

(۱) تین اصلی حروف علت ہین جو کسی علٰحدہ حرف سے نہین بلکہ نشانات سے ظاہر ہوتی ہین، ان نشانات کے نام فتحہ، ضمہ وکسرہ ہین؛ (۲) تین ویسے ہی کھینچکر پڑھے جانے والے حروف علت ہین جو ماقبل آہستہ پڑھے جانیوالے حروف علت کے بعد ہی آتے ہین، مثلاً الف ساکن

ماقبل مفتوح سے لمبی آواز پیدا ہوتی ہے، جیسے چال اور سال مین، اسی طرح واؤ ساکن ماقبل مضموم سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے نور اور طور مین، اسی طرح یاے ساکن ماقبل مکسور سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے نیل اور فیل مین۔

(۳) دو ملے ہوے حروف علت، واؤ ساکن ماقبل مفتوح سے ایسی آواز پیدا ہوگی، جیسے غور اور جور مین، اسی طرح یاے ساکن ماقبل مفتوح سے ایسی آواز پیدا ہوگی جیسے قیصر مین۔

(۴) دو فارسی کے حروف ہین جو "مجہول" کہلاتے ہین، (۱) واو مجہول جیسے شور مین (۲) یاے مجہول جیسے تیل مین۔

اصل مین اُردو نظام تہجی کا ماخذ عربی ہے، لیکن گلچینی یا اخاذی کا ملکہ جو اُردو زبان کی سرشت مین داخل ہے، رسم الخط کے سلسلہ مین بھی ظاہر ہوا، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُردو نظام تہجی عربی فارسی، اور سنسکرت نظامات ابجدی کا گلدستہ بنگیا، اور علاوہ اسکے بہت سے غیر عربی النسل حرف بھی شامل ہوگئے جیسے پ، ٹ، چ، ڈ، گ اور ہاے دوچشمی۔

ان محاسن ترکیبی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اُردو نظام تہجی صوتی حیثیت سے اتنا مکمل بنگیا جتنا کسی انسانی زبان کے لئے ابتک ممکن تھا، عربی حرف تہجی پر بحث کرتے ہوے مسٹر ولیم جانسن نے کہا ہے کہ مکمل زبان وہ ہے جسمین ہر وہ خیال جو انسانی دماغ مین آسکتا ہے، نہایت صفائی اور زور کے ساتھ ایک مخصوص لفظ کے ذریعہ سے ظاہر کیا جا سکے، خیالات اگر سادہ ہون تو الفاظ بھی سادہ اور اگر خیالات مشکل ہون تو وہ بھی مشکل، اسی اصول کی بنا پر مکمل رسم الخط وہی جسمین اس زبان کی ہر آواز کے لئے ایک مخصوص نشان ہو، اس لحاظ سے قدیم فارسی درجۂ کمال کے قریب تر ہے، لیکن عربی نظام تہجی جسے تمام اسلامی قومون نے اختیار کیا ہے، عربی لکھنے کے لئے اسدرجہ مکمل ہے کہ ایک حرف بھی بلا کسی دشواری کے محسوس کئے ہوئے گھٹایا بڑھایا نہین جاسکتا۔"

مسٹر موصوف کے یہ خیالات اُردو نظام تہجی پر بھی حرف حرف چسپان ہوتے ہین۔

اب اس مسئلہ کو کتابت کے نقطۂ نظر سے دیکھو، ایک ضروری امر جسے دیگر نظامات ابجد مین نظرانداز کر دیا جاتا ہے، یہ ہے کہ تحریری نشانات دو قسم کے ہوتے ہین، حروف علت اور حروف صحیح، حروف علت تمام قسم کے آوازون کی بنیاد ہین، اور حروف صحیحہ کے اُتار چڑھاؤ کو بتانے مین حروف صحیح اصوات طبعی کی نیابت کرتے اور اُنکے باہمی تغیرات کو ظاہر کرتے ہین، حروف علت کوئی اپنی مستقل آواز نہین رکھتا بلکہ اسکا کام حروف صحیح کے تلفظ مین مدد دینا ہے اور بس، دیگر زبانون نے ان دونون قسم کے حرفون کے درمیان اس امتیاز کو نظرانداز کر دیا ہے، لیکن اُردو نے حرف علت کو کوئی مستقل حرف نہ تسلیم کرکے اس امتیاز کو قائم رکھا ہے، اس لحاظ سے کوئی زبان اسکی ہمسری کا دعوی نہین کرسکتی، اسمین حروف علت حرفون سے نہین بلکہ صرف اعراب سے ظاہر ہوتے ہین، حروف علت بذات خود مستقل آوازین نہین ہین بلکہ محض اصوات کے لب و لہجہ اُتار چڑھاؤ مین مدد دیتے ہین، اُردو کتابت حروف علت کو بحیثیت حروف کے کوئی جگہ نہین دیتی بلکہ صرف نشانات سے اُنہین ظاہر کرتی ہے اور یہ بالکل بجا ہے۔

یہ اعتراض کہ معمولی تحریر مین نشانات نہونے سے ایک ہی لفظ مختلف طریقون سے پڑھا جاسکتا ہے بالکل بے بنیاد ہے، جیسا کہ ایک مشہور عالم نے کہا ہے کہ ان نشانات کے حذف کر دینے سے پڑھنے والے مین اسقدر ملکہ و مہارت ہوجاتی ہے کہ وہ نشانات کے مدد بغیر پڑھ سکے، یہ نشانات اس غرض سے نہین حذف کئے جاتے کہ ہندی یا وہ لوگ جو زبان سے ناآشنا ہین بہک جائین، اُردو طرز تحریر مین ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ پڑھنے اور لکھنے مین کم محنت صرف ہو اُردو طالب علم کی ترقی تعلیم کا یہ ایک جزو ہے کہ وہ بلا نشانات کے بھی صحیح لکھ پڑھ سکے اور اسمین شبہہ نہین کہ جلدی ہی وہ ایسا کرنے کے قابل ہوجاتا ہے، لیکن ہندی کا طریقۂ تحریر کوئی ایسی تعلیم

نہین دیتا، ہندی عبارت سے کوئی منترہ (نشان) ہٹادو، اور بیچارہ ہندی کا طالبعلم اندھے کی طرح بے بس ولاچار ہوجاتا ہے۔"

یہ خیال کہ اُردو خط شکست استقدر شکل اور بیقاعدہ ہے کہ پڑھنا دشوار ہے، بالکل طفلانہ ہے، ہر زبان کے روزمرہ کی طرح ہر طرز تحریر کی ایک روان اور شکست صورت بھی ہے، اُردو مین یہ کوئی انوکھی بات نہین ہے، اسکا فائدہ اُسکے روان ہونے ہی مین ہے، اور اسکا استعمال صرف اُنکے لئے ہے جو اُردو زبان سے بخوبی واقف ہین۔

اُردو کتابت ایک طرح کی مختصر نویسی ہے، ہر حرف کی پوری شکل کے علاوہ ایک مختصر صورت بھی ہوتی ہے، اور یہ انہین مختصر صورتون کو جوڑکر لفظ بنانے کا طریقہ ہی ہے جس نے اُردو لکھنا استقدر سہل کردیا ہے، اس سے حسب ذیل فوائد ہین:۔

(۱) جگہ کی کفایت۔

(۲) وقت کی کفایت،

(۳) لکھنے والے اور پڑھنے والے دونون کے لئے قوت (انرجی) کی کفایت۔

اردو رسم خط تھوڑے تغیر کے ساتھ تمام اسلامی ممالک مین رائج ہے، بنگال کے مشرقی سرے سے لیکر مغرب مین طرابلس اور مراکش تک استعمال کیا جاتا ہے، ایک ایسے رسم الخط کے استعمال کرنے مین جو نہ صرف ہندوستان بلکہ افغانستان، بلوچستان، اسلامی ترکستان، ایران، عراق، عرب، شام، فلسطین، ترکی، مصر، اور افریقہ کی بعض دیگر ریاستون مین بھی رائج ہے، جو بین الاقوامی فوائد ہین وہ ایسے کم نہین کہ نظر انداز کئے جاسکین۔

اخبار علمیہ

بابرنامہ (شہنشاہ بابر کے خود نوشت حالات) کا انگریزی ترجمہ سنہ ۱۸۲۶ء مین دو انگریز مستشرقون مسٹر لیڈن و مسٹر ارسکن نے شائع کیا تھا، اس کے بعد یہ کتاب ناپید ہوگئی تھی، اب تقریباً ایک صدی کے بعد اس ترجمہ کو دو جلدون مین ہمفری میلفرڈ پریس نے شائع کیا ہے، ترجمہ پر نظر ثانی اور تہذیب و تحشیہ کا کام سرلوکس کنگ پروفیسر عربی و فارسی ڈبلن یونیورسٹی نے انجام دیا ہے، ایک نقشہ اور بہ کثرت حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے،

حکومت رومانیہ نے ایک عرصہ سے اپنے قلمرو کے کالجون مین انگریزی زبان کی تعلیم کو لازمی قرار دیدیا ہے، لیکن اس حکم پر ابتک پوری طرح عملدرآمد اسلئے نہین ہوسکا ہے کہ رومانیہ مین اعلیٰ انگریزی دان اشخاص کافی تعداد مین موجود نہین جو تعلیم دے سکین، اور حکومت کے پاس اتنا روپیہ موجود نہین جو انگلستان سے انگریز اُستادون کو بلا سکے، تاہم حال مین اس مقصد کے کسی نہ کسی حد تک حاصل کرنے کے لئے حکومت رومانیہ نے پروفیسر کریگی، مددگار مولف آکسفرڈ انگلش ڈکشنری کو اپنے ہان مدعو کیا ہے کہ وہ ایک مہینہ وہان قیام کرکے انگریزی زبان کے متعلق لکچر دین، اور لوگون کو معلومات بہم پہنچائین، (ٹائمز ایجوکیشنل سپلیمنٹ)

امریکہ کا مشہور مخیر ارب پتی اینڈریو کارنیگی اپنی زندگی مین ایک عظیم الشان سرمایہ مقاصد صلح و امن کی تبلیغ و اشاعت کیلئے وقف کرگیا تھا، اوس وقف سے پانچ لاکھ ڈالر (ایک ڈالر تین روپیہ چھ آنہ کا ہوتا ہے) فرانس، روس، آسٹریا، و بلجیم کے ان باشندون کی امداد کے لئے دیا گیا ہے جو بغیر شریک جنگ ہوے اوس کے اثرات کی زد مین آگئے، ذیل کی یونیورسٹیون کو بھی مندرجۂ ذیل امداد اسی سرمایہ سے ملی ہے:۔

لووین یونیورسٹی (بلجیم)	۱لاکھ ڈالر	بغرض تنظیم کتبخانہ
پیرس یونیورسٹی (فرانس)	۲ " "	"
بلگریڈ یونیورسٹی (سرویا)	۱ " "	"

نقد اعانت کے علاوہ، لندن یونیورسٹی، پیرس یونیوسٹی، اور روم، زوریچ، ٹوکیو، پیکنگ کے کتبخانون کو امریکی تاریخ و امریکی تعلیم سے متعلق دو دو ہزار کتابین تقسیم کی گئی ہین، اس کے سوا روس سے جو لوگ بالشویک زیادتیون سے تنگ آکر جلا وطنی پر مجبور ہوئے اور بحر اسود کے ساحلون پر اوترے، اون کی تعداد درمیان پچاس ہزار اور ایک لاکھ کے تھی، ان کی دوا علاج، غذا و پوشش کے لئے بھی اسی وقف سے روپیہ دیا گیا، (ایضاً)

ایک آسٹروی سائینٹسٹ پروفیسر نفور نے ایک ایسے ہوائی جہاز او رطیارہ کی ایجاد کا دعویٰ کیا ہے، جس کی ساخت پرندون کے بازوے بالکل مشابہ ہوگی اور جو بغیر کسی خارجی اعانت کے، پرندون کی آزادی و بے تکلفی کے ساتھ فضاے آسمانی مین گشت لگا سکیگا۔

مئی گذشتہ مین، پیرس مین نپولین کی یک صدی کی برسی بڑے اہتمام سے منائی گئی، ایک تاریخی کانگرس منعقد کی گئی، جس کے صدر مارشل فوش تھے، اور جس کے تین دن تک دو وقتہ اجلاس ہوتے رہے، ان چھ اجلاسون مین نپولین کے کارنامون پر تاریخی، سیاسی، قانونی، حربی، و تمدنی، ہر پہلو سے بحث ہوتی رہی، اور ایک سو سے زاید ممتاز اہل قلم نے ان مذاکرون اور مباحثون مین حصہ لیا، ایک اجلاس مین موضوع بحث یہ تھا کہ مسئلۂ قومیت مین نپولین نے کیا کیا انقلابات پیدا کئے، اس اجلاس مین پولینڈ، زیکوسلاویکا، یونان اسپین، اور یورپ کی دوسری قومی حکومتون کے نمایندہ شریک تھے، ان سب نے اپنی اپنی قوم کی جانب سے نپولین کی سپاسگزاری کی، ہندوستان کی جانب سے شکریہ ایک بنگالی عالم پروفیسر بنوے کمار سرکار نے

ادا کیا، ان کے خطبہ کا عنوان "نپولین کی تحریک اور نوجوان ہندوستان" تھا، یہ تقریر اونھون نے فرنچ زبان مین پڑھی، اور نپولین کی مدح مین ایک نظم بھی سُنائی، (کالیجین)

تمام دنیا کے اخبار نویسون کی انجمن (پریس کانگرس) کا اجلاس اِس سال اکتوبر مین، جزائر ہوائی مین بمقام ہونولولو قرار پایا ہی، صدر مسٹر والٹر ولیمس منتخب ہوئے، جو امریکہ کی میسوری یونیورسٹی مین شعبۂ صحافت (اسکول آف جرنلزم) کے ناظم ہین۔ (ایضاً)

امریکہ مین ہند اور مسائل ہند سے متعلق دلچسپی و شوق و واقفیت روز بروز بڑھتا جاتا ہی، وہان کے متعدد مشاہیر نے مسائل ہند سے خاص دلچسپی لینا شروع کر دی ہی، اور ان مسائل کا غائر مطالعہ کرنے لگے ہین، اور امریکہ کے مختلف شہرون مین مطالعہ مسایل ہند کے لئے بہ کثرت مراکز قایم ہو رہے ہین، چنانچہ تنہا ایک ریاست مساچوسٹس مین بیس سے زاید مراکز قایم ہو چکے ہین، اِن مرکزی دفترون کے نام اِس نوعیت کے ہین:۔ چندر گپت، ہمیر، شیر شاہ، بندے ماترم، تلک، (ایضاً)

برٹش ایمپایر یونیورسٹیز کانگرس، جس کا ذکر اس سے پیشتر اِن صفحات مین آچکا ہی، جولائی کے پہلے عشرہ مین آکسفورڈ مین منعقد ہوئی، آٹھ اجلاس ہوئے، جن کے صدر علی الترتیب لارڈ کرزن، مسٹر بالفور، لارڈ ہالڈین، لارڈ کریو، لارڈ بالفر آف برے، لارڈ شیفٹسبری، لارڈ رابرٹ سیسل، و لارڈ کینن ہوتے رہے، بیسیون مضامین زیر بحث رہے، جن کے مہات عنوان یہ ہین:۔

(۱) یونیورسٹیون مین مضامین کی ترتیب و توازن،

(۲) یونیورسٹیون مین بلدیات، سیاسیات و معاشیات کی تعلیم،

(۳) یونیورسٹیون مین تعلیم ثانوی،

(۴) یونیورسٹیون مین بالغون کی تعلیم،

(۵) یونیورسٹیان اور تعلیم اساتذہ،

(۶) یونیورسٹیون کی مالی حالت،

(۷) یونیورسٹیان اور ریسرچ (تحقیقات عالیہ)

(۸) مختلف یونیورسٹیون کے اساتذہ وطلبہ کا باہمی تبادلہ،

(انڈین ایجوکیشن)

ایک ماہر فلکیات کا بیان ہی، کہ اگر کرۂ ارض کا کسی مہیب ترازو مین وزن کرنا ممکن ہو، تو دوسرے بڑے مین کرۂ ارض کے مساوی الحجم پانچ کرہ جو پانی سے لبالب ہون، اور چھوٹا کرہ، جس مین ایک رتی پانی ہو، رکھنا ہونگے، جب جاکر پہلے پلڑے سے، جس مین کرۂ ارض ہوگا، وزن برابر ہوسکیگا،

انگریزی مقبوضات کے تمام حصون مین ہندوستان، برقی ترقیون مین سب سے پست ہی، مختلف اقطاع سلطنت انگریزی مین ہر فرد پر جتنے برقی واٹون کا پرتہ پڑتا ہی، اوس کا اندازہ اعداد ذیل سے ہوگا،

کناڈا مین ہر فرد پر	۱۴۸	واٹ
آسٹریلیا 〃	۶۲	〃
جنوبی افریقہ 〃	۵۷	〃
جزائر برطانیہ 〃	۳۳	〃
ہندوستان 〃	۱	〃

علماء ہیئت کا بیان ہی، کہ ہر شب کو ۲۰۰۴ ستارے ٹوٹ کر زمین پر گرتے ہین، لیکن اون کا جسم اس قدر سبک ولطیف ہوتا ہے، کہ اگر ۱۸½ کرور برس تک برابر ان کی بارش ہوتی رہے جب کہین جاکر زمین کی دبازت مین بہ قدر نصف انچہ کے اضافہ ہوسکیگا،

ہرورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے نامور ماہر فلکیات ڈاکٹر شیپلی کہتے ہین، کہ بالعموم اہل سائنس کائنات کی وسعت کا جو اندازہ کرتے ہین، وہ اس کے مقابلہ مین ایک ہزار گنی وسیع تر ہی، عام اہل سائنس اب تک کرۂ ارض کو مرکز کائنات قرار دیتے رہے ہین، ڈاکٹر موصوف نے اسے اس مرکزی مقام سے بہ قدر ۳۶۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ میل کے ہٹا دیا ہی،

ڈاکٹر گارڈن بیرین، لکھتے ہین کہ ایک یازدہ سالہ لڑکی کے ہاتھ کے اوپر کے حصہ کی ہڈی مین جس کو اصطلاح مین ہیومرس (Humerus) کہتے ہین دراز پڑگئی تھی، مریضہ پیڈنگٹن کے شفاخانہ اطفال مین لائی گئی، یہان ایک بیل کے پیر سے ہڈی کاٹ کر اوسے ۴۸ گھنٹہ تک جوش دیا گیا، اور اس کے بعد اسے ٹھیک ٹھاک کرکے اوس کے جوڑ مین کیلون سے جڑ دیا گیا، اور عضلات پر ٹانکے لگا دیئے گئے، تین مہینہ کے عرصہ مین بیل کی ہڈی پوری طرح مریضہ کی ہڈی مین جڑ گئی اور اس کے ایک مہینہ بعد مریضہ پوری طرح شفایاب ہوکر شفاخانہ سے اپنے گھر رخصت ہوآئی، اور چند روز بعد اوس ہاتھ سے بخوبی کام لینے لگی،

(لینسٹ)

ڈاکٹر البرٹ ایبرمس نے اپنے ایک طویل مضمون مین اس کا دعویٰ کیا ہی، کہ وہ قطرات خون کا معائنہ کرکے قطعیت کے ساتھ حکم لگا سکتے ہین، کہ فلان شخص فلان شخص کی اولاد ہی، جس شخص کی ابوت

یا اموسٹ مشتبہ ہو، ایک قطرہ وہ اس کے خون کا لیتے ہین، اور ایک قطرہ وہ اُس کے مزعومہ باپ یا ان کا
اور دونون کا امتحان کرکے نفی یا اثبات مین جواب دیتے ہین، اون کا دعویٰ ہے کہ اون کے ایجاد
کردہ طریقون سے ہر فرد کے نہ صرف صحت نسب کا ثبوت مل سکتا ہے، بلکہ محض قطرۂ خون کے معاینہ سے
فرد کی نسل، قومیت، جنسیت، صحت اور مدت حیات کا بھی پتہ چل سکتا ہے، چنانچہ ایک شخص نے اون کے
پاس بذریعہ ڈاک اپنے خون کا ایک قطرہ بھیجا تھا، اوس کے جواب مین اونھون نے اوسے بتادیا، کہ
اوس کا مادری سلسلہ ہالینڈ، اٹلی، و سویڈن والون سے ملتا ہے، اور پدری سلسلہ مین انگریزی
و آیرش خون شامل ہے، (پاپولر سائنس)

پروفیسر سروس و پروفیسر ملر کی مشترکہ کوششون نے امریکہ کے بعض ویران و غیر آباد حصون
مین ایک نہایت قدیم جانور کے وجود کا پتہ لگایا ہے، جس کا نام ان لوگون نے اپنی اصطلاح مین
ڈینوسار (Dinosaure) رکھا ہے، یہ جانور کم از کم ایک کرور برس ہوئے سطح ارض پر
موجود تھا، ورنہ ممکن ہے کہ اس سے بھی قدیم تر ہو، یہ جانور چارپایہ نہین بلکہ دوپایہ تھا، اِس کے
نقش قدم ہاتھی کے نقش قدم کے برابر پائے گئے ہین، (ایضاً)

دمدار ستارہ جو ہر شب و روز بلاناغہ طلوع ہوتے رہتے ہین اون کا مستقر یا مسکن فضاے
تاریک ہے، یہ تاریکی سے نکلتے ہین، آفتاب کے گرد حیرت انگیز سرعت کے ساتھ چکر لگاتے ہین، اور
پھر تاریکی ہی مین غائب ہوجاتے ہین، جس طرح برسات مین روشنی کے گرد ہزارون کیڑون
اور پتنگون کا ہجوم ہوجاتا ہے، اوسی طرح دمدار ستارے آسمان مین بیشمار تعداد مین جمع رہتے ہین
ستارہ نیپچون کے آگے ضبابہ کا جو حلقہ ہے وہ ابتک دخانی و غیر جامد حالت مین ہے، نظام شمسی کو بھی

فضاے دخانی چارون طرف سے گھیرے ہوے ہے، یہی فضاے دخانی، جو نظام شمسی کے حدود سے باہر ہے،
اور جس کے حدود و رقبہ کی ابتک تحقیق نہین ہوسکی ہے، دمدار ستارون کا مولد و منبع ہے، اسی فضا سے
یہ بیشمار تعداد مین نکلتے رہتے اور آفتاب کے گرد چکر لگا لگا کر غایب ہوتے رہتے ہین، اس فضا کا
فاصلہ کرہ آفتاب سے بہ قدر ......۱۵ میل کے اندازہ کیا جاتا ہے، دمدار ستارون کی جسامت
اگرچہ اکثر مُہیب و دہشت انگیز ہوتی ہے، لیکن ان مین وزن تقریباً معدوم ہوتا ہے، (ایضاً)

دنیا مین جتنے اجسام مادی موجود ہین، سب کی ترکیب آیٹمز (سالمات) سے ہوئی ہے، لیکن
خود ہر سالمہ کی تحلیل بیشمار الکٹرونس (برق پارون) مین ہوسکتی ہے، ان برق پارون کے قوی و خصایص
کی جو تحقیقات حال مین پروفیسر ملیکن نے کی ہے، اوس سے معلوم ہوا ہے، کہ ہر برق پارہ ایک غیر معمولی
قوت کا مخزن ہوتا ہے، اس کی شرح رفتار معمولاً فی سکنڈ ۱۶۰۰۰ فٹ ہوتی ہے، اور بعض صورتون مین اس سے
کئی گنی زاید، اِس نو دریافت قوت سے اگر کام لیا جاسکے، تو دنیا کی موجودہ حالت مین غیر معمولی انقلاب
ہوجائیگا، جن چیزون کا حصول آج نہایت دشوار سمجھا جاتا ہے، وہ بالکل معمولی باتین بن جائینگی، مثلاً
برقی روشنی اور پنکھے کے مصارف کا تحمل اس وقت صرف اُمراہی کرسکتے ہین، لیکن برق پارون کی
قوت سے کام لینے کے بعد ان چیزون تک ہر متنفس کا دسترس ہوسکیگا اور اون کا حصول پانی اور
ہوا کی طرح عام ہوجائیگا، و قس علی ہذا۔ (ایضاً)

اسی جدید انکشاف کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا، کہ معدنی اشیاء کا باہمی استحالہ اب اس قدر دشوار
نظر نہین آتا، جتنا چند سال قبل سمجھا جاتا تھا، کیمیا گری ابتک حکماے مغرب کے نزدیک ایک قابل
مضحکہ شے تھی، اور تانبے کو سونا بنا دینے کا دعویٰ کرنا ایک امر محال کا ادعا کرنا تھا، لیکن اب جبکہ یہ

دریافت ہوگیا ہے، کہ دنیا مین جس قدر اجسام مادّی ہین، سب کی ترکیب متحد الاصل برق پارون سے ہوئی ہی، اور اجسام مین جو کچھ اختلاف ہی، وہ محض اسلئے ہی، کہ ان برق پارون کی ترکیب بعض اجسام مین زیادہ ثقل وکثافت کے ساتھ ہی، اور بعض مین انتشار ولطافت کے ساتھ، اور ہر جسم سے ان برق پارون کا انحلال تیز یا آہستہ شرح رفتار کے ساتھ ہوا کرتا ہے، اس مین کچھ استبعاد نہین باقی رہا ہے، کہ رفتار انحلال کو تیز یا آہستہ کرکے ایک جسم سے دوسرے جسم مین تبدیل کردیا جائے،

ادبیات

عرض نیاز ببارگاہ غازی مصطفےٰ کمال پاشا

جناب سجاد انصاری وکیل بارہ بنکی

اے عقدہ کشاے باب عالی — دنیا ترے انتظار مین تھی

جمعیتِ کاروانِ ملّت — بربادی و انتشار مین تھی

واماندگیٔ فغانِ خاموش — ہر دیدۂ اشکبار مین تھی

اِک کشمکشِ حیات ملّی — مجبوریٔ بیقرار مین تھی

تڑپی آخر تری جبین سے — جو برق قضاے کار مین تھی

"اسلام کا آفتاب چمکا

بے پردہ و بے نقاب چمکا"

اے مونسِ سطوتِ خلافت — تو "فتح مبین" کا راز نکلا

طوفانِ بلا کی شورشون مین — اِک تو ہی سفینہ ساز نکلا

ظلِّ نبوی تہا سایہ افگن — جب لیکے سرِ نیاز نکلا

یون نغمہ سرا ہوے فرشتے — جانباز رہِ حجاز نکلا

لبریز نواے سرمدی سے

معمور ضیاے احمدی سے

اے منتخبِ حیات جاوید — اے غیرتِ طالعِ سکندر

تو ایک دلیلِ مختتم ہے　　اسلام کی جان نثاریون پر

تیری قربانیون پہ نازان　　توقیرِ شریعتِ پیمبر

تیری بے باکیون سے لرزان　　مغرب کا ہر ایک فتنہ پیکر

ہین انجمنین تمام برہم　　دنیا پہ ہے اک فضائے محشر

بکھرے ہوئے ہین عرب کے اوراق　　ہے ردبجزان عجم کا منظر

اے معجزۂ نسیمِ اُمید　　اب تیری طرف ہے دیدۂ تر

سرمایۂ برگ و بار ہوجا

پیرایۂ صد بہار ہوجا

بزمِ رزمی

جناب سعید رزمی بھوپالی

وہ جلوہ گاہ ناز ہے یا بزم طور ہے　　ہر ایک ذرہ روکشِ دنیائے نور ہے

ان خودنمائیون پہ بھی محرومیان عجب!　　اے چشم نامراد یہ تیرا قصور ہے

اللہ رے انبساط تماشائی حسن دوست　　دنیا اسیر موجۂ بحرِ سرور ہے

مایوس ہو نہ دل کسی اُمیدوار کا　　اے حسن بے نیاز ترحم ضرور ہے

نیرنگئی کمالِ محبت تو دیکھئے،　　موسیٰ حریف جلوۂ لیلائے طور ہے

ہین ادر تاب جلوۂ برقِ جمال یار　　اے عقل ہرزہ کار سراسر فتور ہے

اُس دشمنِ وفا سے ہے اُمید التفات

رزمی یہ کیا خیال ہے کچھ بھی شعور ہے

منازعہ چشم و بینی

پروفیسر فدا علیخان رامپوری ڈھاکہ یونیورسٹی

یہ نظم اٹھارہوین صدی کے ایک ممتاز انگریزی شاعر کاوپر کی ایک نظم کا ترجمہ ہے، اگرچہ لطف شعر ترجمہ کا متحمل مشکل سے ہوسکتا ہے، لیکن کسی زبان کو دوسرے زبان کی شاعری سے آشنا کرنے کے لئے اسکے سوا چارہ ہی کیا ہے، خود کاؤپر کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ ہومر کا مترجم تھا البتہ ہمارے مترجم پر اپنی زبان (اُردو) کا زیادہ حق تھا، اور جسکو شاید وہ زیادہ خوبی کے ساتھ ادا بھی کرسکتے۔

اس نظم مین سب سے لطیف نکتہ وہ استحقاق ہے جسکی بنا پر عینک کا مالک "بینی" کو قرار دیا گیا ہے، یہ وہی منطق استحقاق تو نہین ہے جو آج بیسوین صدی مین انگلستان اپنے اس نامور شاعر کی پیروی مین ملک گیری کے لئے پیش کرتا ہے؟ (معارف)

قضیۂ عجبے از قضا چنان رُوداد　　میان بینی و چشمان منازعت افتاد

کنی سوال گر از ما بہ النزاع اینجا　　بخاست از پے عینک فساد و فتنہ زپا

ملاک امر چنان گشت در جہان مشہور　　کہ حق و ملکِ کدام است عینکِ مذکور

پے سماعتِ خصمان نشست قاضی گوش　　کہ بودہ است سمروزگار و تیزی ہوش

زبان وکیل شد و در عبائے ریش و بروت　　کشاد لب زپے بحث از وجوہِ ثبوت

کہ اے جمیل شیم صدر بزم شرعِ مبین　　یکے بہ چشم عدالت درین معاملہ بین

شود چنان حق بینی زروئے حق بینی　　تو مبرہن گویا بہ چشم خود بینی

کہ در تصرفِ بینی است عینک از آن دم
کہ آمدہ بوجود از پسِ حجابِ عدم

ہمین کہ برلب او آمد این سخن شد پیش
چنانکہ تیرے ناگاہ بر جہد از کیش

گرفت عینک و در پیش چشم قاضی داشت
از و معاینہ اش را بہ غور و فکر بخواست

نظر کنید میانِ محدّبش کہ چسان
برائے بینی آمد موافق و چسپان

بہ پشت بینی آنگونہ استوار افتاد
تو گوئیا کہ کسے زین بہ پشت اسپ نہاد

ہم امر دیگر اینجاست غور و خوض طلب
کہ بارہا بہ نظر آمدست و نیست عجب

بس اتفاق فتادست و میتوان افتاد
کہ رفتہ بینی برباد در طریقِ فساد

کرا بود ہوسِ عینکے درین صورت
کرا بود بہ چنین حالتے سر زینت

ازانچہ گفتم القصہ روشن است و عیان
چنانکہ ہستیِ موہوم پیشِ خود بینان

کہ عینک از پے بینی است آمدہ بوجود
نہ بل ز بینی جز عینکے بدہ مقصود

سوے فریق دگر رفت بعد ازان بشتاب
ز جانبش بحمایت کشاد لب بخطاب

مدار ہیچ عجب از وکیلِ این احوال
مدارِ زندگیش ہست چون برین اقوال

ز سوی چشم چو بنیاد بحث و نطق نہاد
تو گوئی گفتۂ پیشینِ خود ندارد یاد

چو بود حجتش این بار قول بے بنیاد
بہ پیش قاضی دور از قیاس و عقل افتاد

ز پیش گاہِ قضا پس بصد متانت و حلم
بہ لفظ روشن و جز میکہ ناشی است از علم

صدور یافت چنان حکم ناطقِ مطلق
کہ ہست دعویِ بینی زپای تا سر حق

لہذا ہر گہ در روزِ روشن و شبِ تار
بہ جلوہ آید عینک بہ بینی از پے کار

برائے چشم بود فرضِ عین خوابیدن
فراز کردنِ مژگان و در فرو بستن

باب التقریظ والانتقاد

مناقب رزاقیہ

از

ملا نظام الدین فرنگی محلی قدس سرہ

ہندوستان نے اپنے اسلامی عہد تاریخ مین جو چند ممتاز ترین علماء پیدا کئے، ان مین ایک ملا نظام الدین فرنگی محلی بھی تھے، اون کی ذات معقول و منقول، شریعت و طریقت کی جامع تھی، اون کے معاصر علماء اون کی شاگردی پر فخر کرتے تھے، اور اون کا قایم کیا ہوا نصاب تعلیم "درس نظامیہ" کے نام سے آجتک ہندوستان کے عربی مدارس مین رایج ہے، علامۂ آزاد بلگرامی، جو ملا موصوف کے ہمعصر تھے، ان کے حالات مین لکھتے ہین:-

امروز علما و اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند، و کلاہ گوشۂ تفاخری می شکنند، و کسے کہ سلسلۂ تلمذ بہ اومی رساند، بین الفضلاء علم امتیاز می افرازد، مردم بسیار را دیدہ شد کہ تحصیل جاہاے دیگر کردند، و برائے اعتبار فاتحۂ فراغ از مولوی گرفتند۔ (ماثر الکرام ص ۲۲۰)

ملا موصوف کی عام شہرت ایک زبردست عالم شریعت اور جید معقولی کی حیثیت سے ہے، اور ان کے افادات قلم مین ان کی شرح ہدایۃ الحکمت و شرح مسلم الثبوت سب سے زیادہ مقبول و معروف ہین لیکن یہ کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ ملا صاحب جس پایہ کے عالم تھے، اوسی پایہ کے عارف بھی تھے،

جس طرح وہ علوم ظاہری مین استاد الاساتذہ تھے، اوسی طرح معارف باطنی و اسرار تصوف مین بھی شیخ الشیوخ تھے، رسالہ مناقب رزاقیہ اونھون نے اپنے شیخ طریقت کے حالات وفضائل مین تحریر کیا ہی،

ملّاصاحب کے مُرشد، موضع بانسہ (ضلع بارہ بنکی، اودھ) کے مشہور بزرگ سید شاہ عبدالرزاق قدس سرہ تھے، جن کا سال وصال ۱۱۳۶ھ ہجری ہے، اور جن کی درگاہ اس وقت تک مرجع خلائق ہے، ملاصاحب اون کے معمولی مرید نہ تھے، بلکہ خاص عاشقون مین تھے، اور آگے چلکر اون کے ایک ممتاز خلیفہ ہوئے، چنانچہ عشق وشیفتگی، محبت وعقیدت کے جلوہ اس رسالہ کی ایک ایک سطر سے نمایان ہیں،

سید صاحب بانسویؒ تقریباً ایک ناخواندہ درویش تھے، اون کی بیعت مین ایک ایسے ممتاز عالم کا داخل ہونا، منجملہ اون واقعات کے ہی، جن پر اہل ظاہر کو ہمیشہ حیرت رہیگی، لیکن یہ حقیقت بھی اس سے کچھ کم عجیب نہین، کہ ملاصاحب کے زمانہ مین جو اشخاص اس واقعہ پر سب سے زیادہ متحیر ومعترض رہتے تھے، (یعنی ملا محمد رضا و ملا کمال الدین) وہ بالآخر خود بھی اسی حلقۂ بیعت مین داخل ہوکر رہے،

سید صاحب کے حالات مین اون کے مریدون اور معتقدون نے متعدد رسائل تالیف کئے ہین، جن مین سے بعض طبع ہوچکے ہین، مثلاً ملفوظ رزاقی (فارسی) از نواب محمد خان شاہجہانپوری، وکرامات رزاقیہ (اردو) از نواب موصوف، وگلستان طریقت (منظوم) از مولوی محمد حسین، اور بعض غیر مطبوع ہین، مثلاً مناقب رزاقیہ از سید باقر علی ردولوی وغیرہ، اور متعدد کتابون مین اون کا ذکر ضمناً آیا ہی، مثلاً مآثر الکرام (آزاد بلگرامی)، یا بحر ذخار (شاہ وجیہ اللہ بن اشرف) مین، لیکن تقدم زمانی استناد وتحقیق واقعات کے لحاظ سے رسالۂ زیر نظر کو سب پر فضلیت حاصل ہی،

مؤلف نے اس رسالہ کو پانچ فصلون مین تقسیم کیا ہی (ملّا صاحب بجائے "فصل" کے "وصل" کی اصطلاح استعمال کرتے ہین) فصل اوّل مین سید صاحب کے نسب، وطن، تعلیم، حلیہ، سلسلۂ روحانیہ و وفات کا ذکر ہی، فصل دوم اخلاق و واردات قلب وخصائل سے متعلق ہے، فصل سوم مین تجلیات غیب کا

بیان ہی، فصل چہارم الہامات حالت خواب وبیداری کے لئے وقف ہی، اور فصل پنجم مین کرامات وخوارق عادات کا تذکرہ ہی، یہ عنوانات تقریباً ملاصاحب ہی کے الفاظ مین دیدئے گئے، لیکن دور حاضر کے ناظرین کو ملاصاحب کی تالیف مین اس قسم کے حسن ترتیب کی توقع نہ رکھنی چاہئے جسے موجودہ تصانیف کا لازمی جزو سمجھا جاتا ہی، عنوانات بالا مین سے کوئی عنوان جامع ومانع نہین، ہر فصل مین ایسے واقعات درج ہین، جنھین بلاتکلف دوسری فصلون کے ماتحت بھی جگہ مل سکتی ہی،

حضرت سید صاحب بانسوی کے سوانح وفضائل کے علاوہ اس رسالہ مین ضمناً کہین کہین عام مسائل تصوف پر بھی بحث آگئی ہی، جن کے متعلق ملا نظام الدین کا مسلک معلوم کرنا بہت سے ناظرین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا، اس قسم کے دو ایک واقعات درج ذیل کئے جاتے ہین،

(۱) ایک مرتبہ سید صاحب ایک بزرگ کے مزار پر کھڑے ہوئے تھے، کہ آواز آئی، کہ "آج تم سے ایک ایسا عمل صادر ہوگا جو محمود نہ ہوگا" اس روز یہ واقعہ پیش آیا، کہ ایک شخص نے بارادۂ قتل تلوار سے آپ پر حملہ کیا، آپ نے بھی جواب مین تلوار اوٹھائی، وہ شخص بھاگ گیا، ظاہر ہے کہ مدافعت مین تلوار اوٹھانا بالکل جائز تھا، پھر اسے غیر محمود کیون بتایا گیا؟ اس کے جواب مین ملاصاحب کہتے ہین:-

"باید دانست کہ حسنات عوام سیآت ابرار است واز ینجاست کہ زلات کہ از حضرات انبیاء علیہم السلام واقع شدہ، تعبیر آن بظلم ومثل آن شدہ، محمول بر ترک اولی ست، پس ترک اولی در حق آنہا ہرگاہ چنین مشابہ است، پس بعدے ندارد کہ اقطاب عرفا با ختر کہ علی الحقیقۃ ورثۂ انبیا باشند، در حق آنہا مباحات کہ لائق شان آنہا نباشد بچنین مشابہ بودہ باشد پس تعبیر آن بہ "نہ نیک" بر جا باشد (ص ۳۵)

(۲) بعض درویش نماز کے پابند نہین ہوتے، متقدمین مین بھی بعض اکابر صوفیہ نماز کے پابند نہ تھے، اور سید صاحب بانسوی کا بھی یہی حال تھا، ملاصاحب جیسے زبردست عالم شریعت اس حقیقت سے بالکل بے اعتنائی کیونکر برت سکتے تھے، فرماتے ہین:-

"از بعض علامات دریافت شد کہ وقت نماز حالتے مع الحق تعالیٰ داشت، کہ بنظیر لی مع اللہ وقت لا یسعہ ملک مقرب اشارت ست، و از قیام و تہیئ و اسباب طہارت و نماز در وے فتورے راہ می یافت ازین امر متوقف می شد، و در بعضے اوقات بہ نماز مشغول می شد، حالتے می یافت کہ لا عین رات و لا اذن سمعت و آن حال را در ہمہ ازمان نمی یافت، و آن از منہ متوجہ بہ نماز می شد چہ طلب آن حال داشت، و بالجملہ ہر چہ کشادگی و فتح یاب شد، از ذکر و فکر و این را در نماز نمی یافت در ہمہ اوقات ..... و در بعض اوقات دریافتہ شد کہ بہ جسد لطیف متجسد شدہ نماز می گذارد، و آنہا را کہ بصارت آن عالم ست می دیدند، و وے قوت این تجسد بسیار داشت، و در اکثر اوقات می فرمود کہ توجہے کہ در آن جسد یابم، درین نمی یابم" صـ۲۴

چار سطرون کے بعد پھر لکھتے ہین کہ

"(شیخ) می فرمود کہ لا تقربوا الصلوٰۃ و انتم سکاریٰ اشارت بہ این ست چہ در آن حال توجہ مع الحق در کمال ست، و در رکوع و سجود و قیام و قعود و غیر ذلک سواے حق تعالیٰ در وجہہ روح دیگر نیست، از ما سواے غفلت تمام است، پس بہ منزلہ سکاریٰ شد، و قتیکہ این سکر حاصل، نہی آمد از قربت بہ صلوٰۃ بہ این جسد متعارف چہ این نماز بہ آن نماز نسبتے ندارد" صـ۲۵

اسی طرح مسئلہ سماع، وحدت وجود، الہامات غیبی، وغیرہ کے متعلق مختصر لیکن دلچسپ معلومات درج ہین، کتاب کا زمانہ تصنیف ۱۱۳۶ھ و ۱۱۶۱ھ کے درمیان ہی، لیکن ۱۳۱۳ھ تک اس کا وجود صرف قلمی نسخون کے ذریعہ سے محفوظ رہا، ۱۳۱۳ھ مین اس کا پہلا ایڈیشن سید شاہ غلام جیلانیؒ سجادہ نشین بانسہ کی تصحیح، اور شمس العلماء مولانا محمد نعیم قدس سرہ فرنگی محلی کے مشورہ و اصلاح سے شایع ہوا، موجودہ ایڈیشن اوسی کی حرف بحرف نقل ہی، بجز اس کے کہ شروع مین فہرست مضامین اور ایک مختصر اردو دیباچہ کا اضافہ کر دیا گیا ہی، کسی قلمی کتاب کو ایڈٹ (ترتیب و تہذیب کے ساتھ شایع) کرنا، مختلف نسخون کو جمع کرکے باہم مقابلہ کر

اور موزون وکانی حواشی لکھنا، یورپ کے علماء شرقیات کا مخصوص حصہ سمجھا جاتا ہی، اور اس مین شبہہ نہین کہ اس باب مین ہمین یورپ سے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہی، لیکن یہ ایک حیرت انگیز و مسرت ناک حقیقت ہے کہ اس رسالہ کے دونون ایڈیٹرون (مولانا محمد نعیم فرنگی محلی و شاہ غلام جیلانیؒ بانسوی) نے جو انگریزی حرف شناس تک نہ تھے، اور جن پر کسی مغربی صحبت کا سایہ تک نہ پڑا تھا، اپنے فرائض کو انتہائی قابلیت سے انجام دیا ہی، اور اون کی کوششون کا معیار، مغرب کے منتہاے کاوش و تحقیق سے کسی ایک مقام پر بھی نہین گرنے پایا ہی، ان بزرگون نے متعدد قلمی نسخون کو پیش نظر رکھکر انتہائی دیدہ ریزی کے ساتھ اون کا مقابلہ کیا، خفیف ترین اختلاف کتابت کو درج حاشیہ کیا، مشکل و نامانوس الفاظ کے معانی تحریر کئے، اور بعض مقامات پر توضیحی و تاریخی نوٹ بھی دیئے ہین، موجودہ ایڈیٹر (سید شاہ ممتاز احمد بانسوی) کی یہ فروگذاشت یقیناً قابل مواخذہ ہی کہ اونھون نے ان حضرات کی کوششون کا اعتراف رسالہ کے سرورق پر اون کا نام دے کر نہین کیا، آیندہ ایڈیشن مین اس کی تلافی لازمی ہی،

تقطیع ۲۰×۲۶، ضخامت مع دیباچہ ۶۰ صفحہ، کاغذ پسندیدہ، طباعت و کتابت اوسط درجہ کی قیمت ایک روپیہ، جو موجودہ شرح کے لحاظ سے چندان گران نہین، ملنے کا پتہ، منیجر مسلم سودیشی اسٹور، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ

مبادیات تجارت

مولفہٗ

مولوی سیّد ظہور احمد صاحب وحشی ندوی

"معلومات تجارت" کے عنوان سے نظامیہ دار الاشاعتہ دہلی نے ایک نہایت ہی کار آمد سلسلہ تالیفات کی بنیاد ڈالی ہی، جس کی اوّلین قسط "تجارت کی پہلی کتاب" موسومہ "مبادیات تجارت" مکمل ہوکر ہمارے سامنے ہی، باقی فن اشتہار، دوکانداری، انتظام دفتر وغیرہ کے نام سے اور متعدد جلدین زیر طبع وتالیف ہین،

مبادیات تجارت حسب ذیل سوؔلہ بابون پر مشتمل ہی:- (۱) تجارت اور اوس کی ضرورت، (۲) تجارت اور دیگر پیشون پر اوس کی فوقیت، (۳) تجارت کا اثر عقل ودماغ پر (۴) دنیا کے کامیاب تاجر اور اون کے تجربے، (۵) تجارت کی تعلیم، (۶) تجارت کی مختلف صورتین، (۷) کاروباری آدمی کا نظام عمل، (۸) کاروباری آدمی کا کیریکٹر، (۹) تجارت کا انتخاب، (۱۰) کاروبار کے ضروری شعبے، (۱۱) سرمایہ اور تجارت (۱۲) تجارت کم سرمایہ سے یا سرمایہ کے بغیر (۱۴) ہندوستان کی تجارتی وحرفتی اشیاء، (۱۵) یورپ وامریکہ کی تجارتی وحرفتی اشیاء، (۱۶) عام تجارتی معلومات۔

جیسا کہ مؤلف نے تمہید مین لکھا ہی، اس مین شک نہین کہ "تجارت پڑہنے سے نہین بلکہ کرنے سے آتی ہی" تاہم اس مین بھی شک نہین، کہ ان مختلف ابواب کے تحت مین جو معلومات یکجا کئے گئے ہین، اونکا پڑھنا تجارت کے مبتدی کے لئے یقیناً شمع راہ ہوگا، شروع کے ۳، ۴ باب تو ایک حد تک نظری نوعیت کے کہے جاسکتے ہین، باقی تقریباً ساری کتاب عملی معلومات وہدایات سے پُر ہی،

تیرھوین باب مین بہت سی ایسی صورتین جزئیات تک کا حساب لگا کر بتائی گئی ہین، جن سے آدمی بلا سرمایہ یا تھوڑی پچاس روپیہ کی قلیل بضاعت مین اپنی محنت وہشیاری سے سیکڑون ماہوار پیدا کرسکتا ہی، اس کے بعد والے دو بابون مین ہندوستان اور یورپ وامریکہ کی تجارتی وحرفتی اشیاء در آمد و بر آمد کا تفصیل سے ذکر ہی، البتہ اس ضمن مین مشرق کے دیگر ممالک خصوصاً جاپان کو نظر انداز کرنا ایک محسوس کمی ہی، آخری باب مین جو عام معلومات درج ہین، وہ ایسے ہین جن کی ہر چھوٹے بڑے تاجر کو قریباً روزانہ احتیاج رہتی ہی، مثلاً ہنڈی، بیمہ، پارسل، سیونگ بنیک، تار، ڈاک وغیرہ کے ضروری قواعد، تنخواہ وسود وغیرہ کا حساب لگانے کی جدولین، تمام دنیا کے سکّون کی قیمتین، مختلف اوزان اور پیمانے،

یہ تجارت پر کوئی علمی و اصطلاحی کتاب نہین ہی، بلکہ اپنے مواد وانشا دونو کے لحاظ سے نہایت عام فہم ہی، جو لوگ تجارت کا کوئی ذوق وخیال نہین رکھتے، اون کے دل مین بھی اس کو پڑھکر شوق کی ایک لہر تو قطعاً پیدا ہوگی،

بقیہ حصّے بھی اگر اسی خوش سلیقگی واہلیّت کے ساتھ لکھے گئے، تو اُردو کے ادبیات عامہ (پاپولر لٹریچر) مین یہ سلسلہ ایک قابل قدر اضافہ ہوگا،

اس پہلے حصہ کے نام مین ذرا تسامح ہوگیا ہی، "مبادی" خود جمع ہے۔ بعض لوگون نے غلطی سے بے شک اس کی جمع "مبادیات" استعمال کردی ہی، لیکن اس غلطی کی ترویج مناسب نہین، اُمید ہے کہ دوسرے ایڈیشن مین تصحیح ہوجائیگی،

لکھائی چھپائی، اور تقطیع (۲۰+۳۰) وغیرہ نہایت خوبصورت وپسندیدہ ہی، ضخامت قریباً سوا دوسو صفحے ہی، قیمت باختلاف مجلد وغیر مجلد عار اور عہ ہے، ملنے کا پتہ "مینجر نظامیہ دار الاشاعتہ دہلی" ہے،

مطبوعاتِ جدیدہ

تعلیم القرآن، جناب مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے یہ نہایت مفید رسالہ تصنیف فرمایا ہی، اس مین اونھون نے قرآن مجید کی تعلیم کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، اور عقائد، عبادات، اخلاق، اور سیاست پر آیات قرآنی سے روشنی ڈالی ہی، آخر مین سیماب صاحب کی ایک موثر نظم درج ہی، جو تعلیم قرآن پر لکھی گئی ہی، قیمت ۲ر، پتہ، دفتر اخبار اہل حدیث امرتسر،

خیر الحقائق فی حدیث الخلائق:۔ جناب ابو الخیر محمد خیر اللہ صاحب پی، ڈی، ایچ نے ۵۰۰ احادیث منتخب کرکے جمع کی ہین، جن مین بہت سی اخلاقی حدیثین بھی ہین، اور ساتھ ساتھ اون کا اردو مین ترجمہ بھی کردیا ہی، مترجم صاحب ورنگل حیدرآباد دکن کے پتہ سے ملے گا، قیمت ۸ر

مجموعۂ خطب رشیدیہ:۔ اس مین جمعہ اور عیدین کے مکمل خطبے ہین، جن کے ساتھ منظوم ترجمہ بھی شامل کردیا گیا ہی، مترجم صاحب نے ابتدا مین ایک فتوی لکھا ہی جس مین آیات قرآنی، احادیث اور آئمہ مجتہدین کے اقوال سے یہ ثابت کردیا ہی کہ عربی کے ساتھ اُردو یا کسی دوسری زبان مین خطبہ پڑھنا نہایت ضروری ہی، صفحات ۱۰۰، قیمت مجلد ۱۲ر، پتہ حاجی محی الدین تاجر کتب نمبر ۲۹۹ متصل مسجد ابراہیم صاحب چھاؤنی بنگلور،

سرورِ انبیاء:۔ اس رسالہ مین مولوی **الف دین** صاحب وکیل ہائیکورٹ پنجاب نے جناب رسالت پناہ صلعم کے حالات پر اس حیثیت سے نظر ڈالی ہی کہ مسلمانون کا نام امت وسطی کیون ہی؟ امت وسطی کے کیا خصوصیات ہین؟ وہ امم سابقہ سے کیون ممتاز ہے؟ اور وہ کیا

تعلیم تھی جس نے اخلاقی حیثیت سے قرون متوسطہ مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کردیا، قیمت ۱۰ر

پتہ۔ نظام المشائخ دہلی،

میلاد خاتم النبیؐ:۔ یہ چھوٹا سا سولہ صفحون کا رسالہ جس مین میلاد خاتم النبیین کے زیرعنوان اسلام کے فضائل و مناقب اور اوس کا فیض و کرم، یہودی مذہب، عیسوی مذہب، زردشتی مذہب اور بودھ مذہب کے پیرو اور مقلدین پر دکھلایا گیا ہی، لیکن یہ مضمون افسوس ہی کہ وقت نظر کے ساتھ نہین لکھا گیا ہی، عنوان اور نفس مضمون مین بیوستگی کی بھی کمی ہی، اس کے موٴلف جناب مولوی فاضل محمد مرتضی صاحب معتمد انجمن ترقی تعلیم و ثروت ہین، ملنے کا پتہ محمد عبد السلام شریک معتمد انجمن طلبائے قدیم، مخدوم پورہ، گلبرگہ (دکن)

تذکرہ ملا عبد القیوم:۔ ملا صاحب نے حیدرآباد مین بڑے بڑے نمایان کام انجام دیئے ہین دائرۃ المعارف، جو متعدد نادر کتابین چھاپ چکا ہی، اونہی کا قائم کیا ہوا ہی، **کتب خانۂ آصفیہ** جو ہندوستان کے کتبخانون مین ایک مخصوص درجہ رکھتا ہی، اوس کی ابتدا بھی اونہی کی تحریک سے ہوئی ہی، اس کے علاوہ اور بھی متعدد کام اون کے ہاتھون سے انجام پائے ہین، اسلئے یہ سخت احسان فراموشی تھی اگر اون کے حالات پر گمنامی کا پردہ پڑا رہتا، مولوی مرتضی صاحب سکرٹری انجمن طلبہ قدیم دارالعلوم کالج حیدرآباد نے اس ضرورت کو محسوس کرکے اون کا ایک تذکرہ مرتب کردیا ہی، جس سے اون کے حالات پر کافی روشنی پڑتی ہی، قیمت ۸ر، پتہ محمد عبد السلام صاحب نائب معتمد انجمن طلبۂ قدیم دارالعلوم محلہ مخدوم پورہ، گلبرگہ (دکن)

نونہال:۔ یہ ماہوار رسالہ حیدرآباد (دکن) سے جناب محمد مرغوب الدین صاحب بی اے (علیگ) کی اڈیٹری مین شائع ہوتا ہی، مضامین اخلاقی، تاریخی اور ادبی ہوتے ہین، غالباً یہ رسالہ خاص طور پر طلباء کے افادہ و استفادہ کے لئے جاری کیا گیا ہی، نظمین بھی درج کی جاتی ہین، رسالہ مفید ہے،

لکھائی چھپائی اور کاغذ بہتر عمدہ ہی صفحے ۳۲ قیمت سالانہ ۱۲ٰ ، دفتر نونہال محلہ چیلہ پورہ، حیدر آباد،

تحریک :- لاہور سے یہ ماہوار رسالہ جناب حکیم مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی کی اڈیٹری مین شائع ہونا شروع ہوا ہی، اس کا دوسرا نمبر پیش نظر ہی، مضامین کی نسبت ٹائٹل پیج پر یہ لکھا ہوا ہے کہ علمی، ادبی اور مفید مضامین کا گلدستہ" ادب اُردو کی خدمت و ترقی کی غرض سے محک سخن کے عنوان ایک باب تنقیدی بھی ہے، نظمون کا حصہ بھی رکھا گیا ہی، ناول اور افسانون کا سلسلہ بھی قایم کیا گیا ہی، رسالہ دلچسپیون سے خالی نہین، کاغذ اچھا، لکھائی، چھپائی متوسط صفحے ۴۸، تقطیع بہت چھوٹی ہی، جو شاید ماہوار رسالہ کے لئے مناسب نہین، قیمت سالانہ ۳ٰ ہے، ملنے کا پتہ دفتر رسالہ تحریک موچی دروازہ لاہور،

صدا بہ صحرا :- جناب نیاز صاحب فتحپوری کی ایک نظم جس کے مخاطب اہل اسلام ہین قیمت ۲ منیجر جنرل نیوز ایجنسی بلیماران دہلی،

مرتضوی :- یہ جدید ماہوار رسالہ لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا ہی، اپنے مقاصد کے لحاظ سے یہ تمام تر حضرات شیعہ کے ساتھ مخصوص ہی، اور اس حیثیت سے یہ اردو مین غالباً سب سے پہلا رسالہ ہی بعض فرقہ وار رسائل و اخبارات فریقانہ بحثون مین پڑکر ناسنجیدگی کی حد تک اوتر آتے ہین، لیکن مرتضوی اس عیب سے پاک ہی، البتہ اس کو ہر لحاظ سے شیعون کے ساتھ مختص کرنے مین اس قدر غلو کیا گیا ہے کہ دوسری جماعتون کے لئے اس مین مشکل ہی سے دلچسپی کا کوئی سامان مل سکتا ہی، نیز اس کے مضامین کی نوعیت ماہانہ رسائل کے بجائے ہفتہ وار اخبارات سے زیادہ ملتی جلتی ہی، تین نمبر نکل چکے ہین، مگر ابتک کسی قسم کا کوئی خاص دلچسپ مضمون نظر سے نہین گذرا،

ضخامت ۴ جز ہی، لکھائی چھپائی خاصی ہی، عام خریدارون سے سالانہ چندہ سفید اور بادامی کاغذ کے فرق کے ساتھ ۱۲ اور ۴ہ ہے، ملنے کا پتہ" دفتر مرتضوی، باغ مکا لکھنؤ" ہے،

مجلد ہشتم | ماہ محرم ۱۳۴۰ھ مطابق ستمبر ۱۹۲۱ء | عدد سوم

مضامین